ماہنامہ
الحقیقہ
پاکستان
مجلہ

مئی 2008

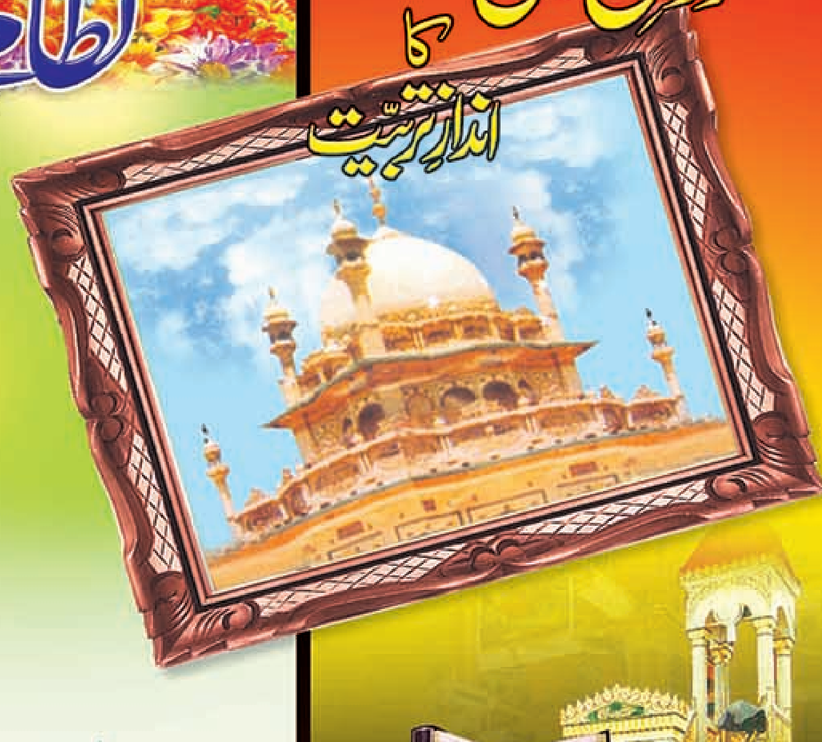


حُسنہ کا رنگ و بو عشق کی آبرو

نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفاذ

اہلِ حق و اہلِ ایمان کا فرض ہے اداریہ

حضور نقش لاثانی قدس سرہ العزیز کا اندازِ تربیت



شاہِ ابرار زندہ و مختار



محاسنِ اخلاق اور ان کے پاکیزہ اثرات



قرأت خلف الامام

# حمد و نعت

جلوۂ فرما رحمت رب العلیٰ ہے ہر طرف
آنکھ بینا ہو تو نور مصطفیٰ ہے ہر طرف

ذرے ذرے کی زباں پر نغمہ توحید ہے
گرم ابھی ہنگامہ قـــالـــوا بـلـــیٰ ہے ہر طرف

بزم امکاں کا کوئی گوشہ بھی کیوں محروم ہو
جب خدا ہے ہر طرف، نورخدا ہے ہرطرف

خالق عالم ہے ظاہر اپنی ہر تخلیق سے
وجہ عالم بھی یقیناً برملا ہے ہر طرف

منکر اندھے پن سے محروم نظارہ ہو تو ہو
ورنہ ان کا نور تو دیدہ کشا ہے ہر طرف

اِک ادب ہے ورنہ تیری بھی ہمیں کیا احتیاج
اَپنا چارہ ساز اے باد صبا ہے ہر طرف

مالک روزِ جل مجدہ جزا اے شافع روزِ جزا
اب تو دنیا میں بھی محشر سا بپا ہے ہر طرف

وقت شاید منتظر ہے پھر کسی شبیر کا
ہاں پس پردہ کوئی کرب و بلا ہے ہر طرف

ہم نہیں ہیں اپنے رب کی رَحمتوں سے ناامید
گو افق پہ یاس کی کالی گھٹا ہے ہر طرف

خیر چاہے تو در خیر الورا سے خیر مانگ
جوش وحشت سے یہ کیا تو بھاگتا ہے ہر طرف

کیا تجھے کافی نہیں ہیں رحمۃ للعلمین
کیا ہے؟ دنیا میں اگر شور بلا ہے ہر طرف

شیخ کے جلوے سے ہے معمور اقلیم بدن
تیرے اندر آسی کوئی مہ لقا ہے ہر طرف

﴿حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

یونس-۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمة الحقیقه | اداریه

## نظامِ مصطفٰے ﷺ کا نفاذ...... امن وامان کا ضامن ہے

مدیر مسئول کے قلم سے

دورِ حاضر میں انسانی فکر وعمل کی خرابی معاشرے کی تباہی اور ملک وقوم کے زوال کا سبب قرار پا رہی ہے۔ وہ مملکت خداداد پاکستان جس کا نظریہ ونصب العین اسلام کی بالا دستی.......... ناموسِ رسالت کی پاسبانی وعدل وانصاف کی حکمرانی قرار پایا تھا آج اسی ملک میں قتل وغارت ولوٹ مار کا بازار گرم ہے.......... بھائی بھائی سے لڑ رہا ہے.......... باپ بیٹا ایک دوسرے کے ساتھ محاذ آرا ہیں.......... صلہ رحمی، مہر ومروت اور الفت ومحبت مٹتی جارہی ہیں.......... شرم وحیاء، صدق وصفا، امانت ودیانت، ادائے فرض بلکہ فرض شناسی کا جنازہ نکل رہا ہے.......... کیبلز، انٹرنیٹ بلکہ ویڈیو فلموں کے ذریعے نوجوان نسل کو حسنِ اخلاق سے محروم کرکے آوارگی وفحاشی کی ترغیب دی جارہی ہے، ملکی صنعت دم توڑ رہی ہے.......... معیشت خسارے کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے.......... گلی کوچوں میں لہولعب کے مناظر عام ہو رہے ہیں.......... غدارانِ وطن اپنے بھیانک کردار وعمل سے اس مملکت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں شب وروز مصروف عمل ہیں.......... جو بھی حکومت اقتدار میں آتی ہے غیر ممالک سے سود در سود قرضے وصول کرکے اپنے شاہانہ اخراجات پورے کرتی ہے.......... الغرض ہمہ تن داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم.......... مقام فکر ہے کہ پہلی قوموں پر جن بد اعمالیوں کی وجہ سے عذاب آتے رہے آج امت مسلمہ خود ان بداعمالیوں میں بری طرح گرفتار ہو چکی ہے.......... لیکن یہ خدائی عذاب سے پھر بھی محفوظ ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے.......... جس کی طرف قرآن کریم یوں اشارہ فرما رہا ہے **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** (اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے.......... جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو) یعنی یہ سب صدقہ ہے.......... حضور پرنور رحمۃ للعلمین ﷺ کے وجودِ مسعود کا کہ امت مسلمہ پر رحمات وبرکات کا مسلسل نزول ہو رہا ہے.......... لیکن بارشوں کا نہ ہونا، مہنگائی کا آسمان سے باتیں کرنا اور رزق وروزی میں برکت نہ ہونا یہ تنبیہات عذاب کی صورت میں نظر آرہی ہیں.......... تاکہ مخلوق اپنے خالق کو پہچانے اور خدائی اپنے خدا کے سامنے جھک جائے.......... لیکن افسوس، ہم پھر بھی کوئی سبق حاصل نہیں کر رہے.......... یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ہم اپنی ترقی کا اندازہ سکولوں، کالجوں، اونچی اونچی عمارتوں اور مال ودولت کی فراوانی وکثرت سے کرتے ہیں.......... یہ یاد رکھئے کہ انسان کی ترقی ''انسانیت کی ترقی'' سے وابستہ ہے، آج ہم انسانیت سے محروم ہو کر دنیا بھر کی آسائشیں بھی حاصل کرلیں تو یہ ہمیں کوئی فائدہ نہ دیں گی.......... دولت کی کثرت نے ہمیں اپنے انجام سے بے خبر کر دیا ہے.......... حبِ دنیا خدا اور سول (جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت پر غالب آچکی ہے.......... حقیقت تو یہ ہے کہ آج کے پڑھے

لکھے لوگ ان پڑھ لوگوں سے بھی زیادہ غیر مہذب ہیں............ یہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ

آدمیت اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

کاش ہمارے سیاسی و مذہبی رہنما بالخصوص اہل اقتدار غور فرمائیں، آج اگر ہم اس ملک کو یہود و ہنود کی ریشہ دوانیوں اور غیر ملکی آقاؤں کے تسلط سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو آیئے، اپنے کردار و عمل کو بدلنے کا پختہ عہد کریں اور اس بارگاہ ذوالجلال میں گڑگڑا کر ملک وقوم کی سلامتی کی دعائیں مانگیں............ اس کے محبوب اکرم رحمت دو عالم کا دامن رحمت تھامیں، کہ انہیں کے وسیلے یہ دنیا عالمگیر طوفانوں اور عذابوں سے بچ سکتی ہے............ اس ملک میں نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کی کوششیں کریں کہ انہیں کا نظام امن و امان کا ضامن ہے............ انہیں کی اطاعت ذریعہ نجات ہے............ انہیں کی محبت سکون و جان ہے............ ملت کے خیر خواہوں بالخصوص ملک کے حاکموں کا اولین فرض یہی ہے کہ وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانے کیلئے اسے نظام مصطفےٰ کے قانون سے فیض یاب ہونے دیں............ نظام تعلیم و نصاب تعلیم کو اسلامی بنائیں............ ظلم و ستم، غریب کشی، رشوت و بددیانتی، طبقاتی امتیازات، چوری و رہزنی کا قلع قمع کر کے وطن عزیز کو اسلام کا گہوارہ بنائیں............ نوجوان نسل کی اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں خوف خدا جل جلالہ و محبت رسول ﷺ وایمانی وقومی غیرت کا جذبہ اجاگر کریں............ ملک کے سربراہوں کے علاوہ قوم کی اخلاقی تربیت کا فرض علما و مشائخ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ ان کی ذات گرامی تعلیمات اسلام کا نمونہ پیش کر سکتی ہیں اس لئے بھی کہ اگر پاکستان بنانے میں ان کی مساعی مشکور ہوئیں تو اب پاکستان بچانے میں بھی ان کی کدوکاوش بہتر نتائج پیدا کر سکتی ہے............ یونہی ہر مخلص شخص اپنی پوری توانائیاں ملک و ملت کی بہبود میں صرف کر دے تو قوم کے فکر و عمل میں پکا اور سچا انقلاب آ سکتا ہے............ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی پیغام دے رہے ہیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

## آہ! حضرت مسعود ملت رحمۃ اللہ علیہ بھی داغ جدائی دے گئے

عالم اسلام کی عظیم روحانی اور فکری شخصیت اعلم العلماء، افقہ الفقہا، سند المحققین، قدوۃ المحققین، علامہ زماں، نباض دوراں، مسعود ملت حضور قبلہ پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی جانشین مفتی اعظم ہند پچھلے دنوں وصال شریف فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ حضرت مسعود ملت رحمۃ اللہ علیہ کو رب تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ فکر مجددیہ اور مسلک اعلیٰحضرت کے نقیب تھے۔ آپ نے ساری زندگی اسلام کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ آپ کئی کتب کے مصنف تھے۔ آپ کے وصال شریف فرمانے سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ راقم کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب شیخ طریقت ترجمان حقیقت بانی الحقیقہ و شیران اسلام حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ میو ہسپتال لاہور میں داخل تھے۔ جب حضرت مسعود ملت رحمۃ اللہ علیہ حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کیلئے ہسپتال میں تشریف لائے تو حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ جن خیالات کا حضور مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اظہار فرمایا وہ پیش خدمت ہیں۔

''شہنشاہ لاثانی قدس سرہٗ کے شہزادہ اقبال اعلیٰحضرت پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب سجادہ نشین دربار شہنشاہ لاثانی

مدظلہ الجلیل کی تشریف آوری کے بعد مجھے سب سے زیادہ محبوب مسعود ملت کی جلوہ گری تھی۔ مجھے علم وفضل کی عظمتوں کے پیمانوں کا کوئی خاطر خواہ علم نہیں تاہم میرے ناقص علم واندازہ کے مطابق شاید پورے برصغیر میں اس وقت ان سے بڑا یا ان کے برابر کوئی عالم ومحقق نہیں۔ پھر یہ جتنے بڑے عالم ومحقق ہیں اتنے ہی بڑے شیخ وصوفی ہیں۔ ایک مدت سے ان کی زیارت کا شوق تھا جو پورا نہ ہو رہا تھا۔ اب جو بیماری مجھے پیک کر کے میو ہسپتال میں لے آئی تو سالہا سال کا شوق پورا ہوا۔ واقعی **فعل الحکیم لایخلوا عن الحکمۃ**۔ اگر ان کے دیدار کی شرط ہسپتال میں داخلہ ہی ہے تو پھر بھی اللہ کے فضل سے کوئی خسارے کی بات نہیں۔ میں کتنی دیر سے سوچ رہا ہوں کہ وہ لوگ واقعی کتنے خوش نصیب ہیں جو ہسپتال میں داخل ہوئے بغیر ان کے دیدار سے مشرف ہوتے رہے ہیں''

یہ تھے وہ الفاظ جو حضور مفکر اسلام ؒ نے حضرت مسعود ملت کے بارے میں قلم بند فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب واقعی ایسے انسان تھے جن کے چہرے کو دیکھ کر رب یاد آجاتا تھا۔ لباس میں سادگی، گفتگو ایسی جیسے پھول کھلتے ہوں، ان کا ہر ہر لفظ امت مسلمہ کیلئے گراں قدر تحفہ ہے۔ آپ نے جو کچھ بھی اسلام کی خدمت فرمائی اللہ تعالیٰ اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ جانشین حضور مفکر اسلام ؒ صاحبزادہ محمد عطاالحق آسوی اور آپ کے رفقاء حضرت مسعود ملت ؒ کی وفات پر نہایت سوگوار ہیں۔ انہوں نے شیران اسلام کے پلیٹ فارم پر شکر گڑھ میں حضرت مسعود ملت ؒ کے ایصال ثواب کیلئے محفل کا انعقاد کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے جانشین اور رفقاء کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اُن کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

## آہ! ایک اور عاشق رسول ﷺ بھی روپوش ہو گئے!

جناب طارق محمود ہرناہ صاحب (ایم پی اے) مورخہ 7 مئی 2008 کو اچانک حادثے کی وجہ سے وصال فرما گئے۔ یہ حضور مفکر اسلام ؒ کے وفادار شاگردوں اور جانثار ساتھیوں میں سے تھے۔ جناب طارق محمود صاحب ایک عظیم عاشق رسول اور بہت بڑے سخی بھی تھے۔ سیالکوٹ کی سرزمین میں بے شمار محفل میلاد کا انعقاد کرتے، کسی بھی گستاخ رسول کو برداشت نہ کرتے، نبی کریم ﷺ کی عزت وعظمت پر جان کی بازی لگانے سے گریز نہ کرتے تھے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ 185 ایکڑ اراضی کی فصل غریبوں یتیموں میں تقسیم کر دیتے۔ انہوں نے نقش لاثانی اسلامک یونیورسٹی کی تعمیر وترقی کیلئے تقریباً تیس لاکھ روپے امداد کی۔ مجھے ان کے جنازے کی سعادت حاصل ہوئی، ہر آنکھ اشک بار تھی لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، ہر طرف افسردگی کا عالم تھا۔ جنازے کا یہ عالم تھا کہ دور دور تک کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق سیالکوٹ کی تاریخ میں سب سے بڑا جنازہ تھا۔ جنازے کے دوران مختلف لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہر کوئی یہی کہتا تھا کہ ہم نے ایسا عاشق رسول اس دور میں نہیں دیکھا۔ آپ کی نماز جنازہ شہنشاہ علی پور زیب سجادہ حضور شہنشاہ لاثانی، جگر گوشہ فخر نقش لاثانی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت پیر سید کرامت علی حسین شاہ صاحب نے پڑھائی۔ آپ کے لواحقین نے جنازے کے دوران اعلان کیا کہ ہم انشاء اللہ جناب طارق محمود صاحب کے ہر مشن کو جاری رکھیں گے۔ پیکر غیرت وحمیت جناب صاحبزادہ محمد عطاالحق صاحب جانشین حضور مفکر اسلام اور آپ کے رفقا ایک عظیم عاشق رسول ﷺ کی وفات کے غم میں نڈھال ہیں اور دعا گو ہیں کہ رب تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے نیک منصوبہ جات کو صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

﴿ممنون احمد آسوی ایڈیٹر﴾

# اتحاد ملت

## کی ضرورت و صورت

قسط: 14

حضور فکر اسلام
پروفیسر محمد حسین آسی
علیہ الرحمہ

**مسلمانوں کی پہلی اور موجودہ صورت حال:** صدر الافاضل حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اطیب البیان کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

"آج مسلمانوں کی جو دردناک حالت ہے، اس نے دردمندان اسلام کو بے چین کر دیا ہے۔ سرد آہیں کھینچ کھینچ کر رہ جاتے ہیں۔ سینہ تھام لیتے اور رو پڑتے ہیں۔ دشمنان دین کی جرائتیں اور بیبا کیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ انھیں اسلام کے دعویداروں میں سے اپنے مؤید و حامی مل جاتے ہیں جو کفار کی خوشنودی کے لئے ایسی ایسی حرکات کر گزرتے ہیں جن کی جرأت یک بیک کفار کو ہرگز نہ ہو سکتی۔

موجودہ صدی سے قبل مسلمان ہر حیثیت سے اعلیٰ نظر آتے تھے۔ ان میں دینداری بھی تھی، غیرت اسلامی بھی، دنیا میں ان کا وقار بھی تھا، اعتبار بھی، رعب و ہیبت بھی، قوت و شوکت بھی، کفاران کے خوف سے کانپتے تھے۔ کسی کو کیا مجال تھی کہ شریعت طاہرہ یا نبی کریم ﷺ کی شان میں زبان کھول سکتا یا کوئی ناقص بات بول سکتا۔ مگر آج کفار کی دریدہ ذہنی اور بدزبانی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ وہ شرع مطہر اور بزرگان دین واکابر اسلام پر سخت ناپاک حملے کرنے اور افتراء و بہتان اٹھانے کے عادی و خوگر ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی دلآزاری اور اسلام کی توہین ان کا شیوہ و پیشہ ہو گیا ہے۔ یہ کیوں اور اس کا باعث کیا؟

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ خود مسلمانوں سے ایسے فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ جنھوں نے حرمت اسلام پر ہاتھ صاف کئے۔ بزرگان دین، اولیائے کرام بلکہ انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بے ادبی اور گستاخی ان کا شغل ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان سے نفرت و بیزاری ظاہر کرنے میں بہت کوتاہی کی۔ ان کے ساتھ میل جول ربط ضبط جاری رکھا۔ اس سے ان کی جرأتیں بھی بڑھیں اور وہ بزرگانِ اسلام پر بے خوف و خطر تبرا کرنے لگے۔ ناقص سے ناقص کلمات چھاپ چھاپ کر شائع کرنے لگے۔

اول اول تو کفاران کی کتابوں کو بخوشی دیکھتے تھے مگر مسلمانوں سے چھپ کر، پھر ان کی دلیری اور مسلمانوں کا اس سے متاثر نہ ہونا دیکھ کر ان میں بھی دلیری پیدا ہوئی اور وہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے کلمات سناتے اور کبھی کبھی ان پر اظہار افسوس بھی کر دیتے لیکن جب انھوں نے تجربہ کر لیا کہ مسلمان اس گالی گلوچ سے کچھ اثر نہیں لیتے اور بزرگان اسلام کے بدگویوں کے ساتھ ان کے میل جول میں کوئی فرق نہیں آتا تو انھیں یقین ہو گیا کہ اسلامی غیرت وحمیت مر چکی۔ اب انھوں نے بھی زبان کھول دی، طوفان برپا کر ڈالے اور جب تک مسلمان اپنی غیرت وحمیت کا ثبوت نہ دیں اور شریعت کے مخالف اور انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء عظام کے بدگویوں کے ساتھ مخالفت ومصاحبت میل جول ترک نہ کریں، یہ فتنہ جاری رہے گا۔

**وہابیت کے دو اصول:** یہی صدر الافاضل علیہ الرحمہ اسی 'اطیب البیان' میں فرماتے ہیں (ضروری اختصار کے ساتھ)

(وہابیت کے) ان دو اصولوں میں سے

۱...... یہ ہے کہ اسلاف کرام اور بزرگوں کی اتباع نہ کرنا چاہئے۔

۲...... یہ ہے کہ علمائے دین اور ائمہ مجتہدین کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ ہر شخص قرآن وحدیث سمجھتا ہے، اس کے لئے بڑا علم درکار نہیں۔

یہ دونوں اصول جس طرح وہابیت کو رواج دینے کے لئے ضروری ہیں، ایسے ہی ہر بدمذہبی کے لئے لازم ہیں۔

یہ ظاہر ہے جب تک کوئی آدمی اپنے بزرگوں کے طریقے کو نہ چھوڑے اس وقت تک کوئی آدمی اسے گمراہ نہیں کرسکتا۔ جب بھی اس سے اس کے دین کی کوئی بات چھڑانے کی کوشش کی جائے گی وہ یہ کہہ کر خاموش کرادے گا کہ اپنے بزرگوں کا طریقہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اب اگر گمراہ کرنے والا دوسرے طریقے سے بہکائے کہ تمہارا یہ عمل قرآن وحدیث کے خلاف ہے تو وہ جواب دے گا کہ قرآن وحدیث پر میرا ایمان ہے لیکن یہ بات میں اپنے علماء سے پوچھوں گا اگر وہ کہیں گے کہ قرآن وحدیث میں ایسا ہے تو میں سر جھکا کر تسلیم کرلوں گا۔ اور اگر انھوں نے فرمایا کہ قرآن وحدیث میں ایسا نہیں ہے تو ان کے مقابل میں آپ کی بات ماننے کو تیار نہیں۔ یہ جواب سن کر بے دین گمراہ کنندہ کی ہمت ٹوٹ جائے گی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قرآن وحدیث کا نام لے کر جاہل کو بہکایا جاسکتا ہے مگر وہ عالم کے پاس گیا تو حقیقت کھل جائے گا۔ اس لئے وہ ضروری سمجھتا ہے کہ پہلے علماء کی طرف سے بدظن کرے اور ان سے قطع تعلق کرائے۔ تمام گمراہ فرقے ان اصولوں پر کاربند ہونے کیلئے تیار ہیں۔ سب سے پہلے روافض وخوارج نے یہی طریقہ اختیار کیا اور مسلمانوں کو ان کے بزرگوں یعنی حضور اکرم ﷺ کے اصحاب کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ جن پر ان کا یہ جادو چل گیا، ان کو دین سے منحرف کر کے گمراہ کردیا گیا اور جو بزرگوں کے دامن سے وابستہ رہے، گمراہ کرنے والوں سے اور گمراہی سے بچ گئے۔

## مولانا اسماعیل دہلوی:

نے عبدالوہاب نجدی کی طرح انھیں دو اصولوں پر اپنے مذہب کی اشاعت کا آغاز کیا۔ بزرگان دین اور علمائے کرام کے خلاف ابھارنے کا اور ان سے قوم کو بے نیاز کرنے کا انداز ملاحظہ ہو۔

''اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں۔ کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انھوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں''۔ (تقویت الایمان)

یہ وہابیت کا پہلا اصول ہے جس میں متقدمین کے طریق، بزرگوں کے حالات، علماء کے ارشادات اور عقل کے فیصلے سب سے روکا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر طرف سے آنکھ بند کر کے مولوی اسمٰعیل صاحب کے حکم کو مان لو۔ اب آیئے قرآن پاک سے فیصلہ لیں۔ سورہ الفاتحہ جو روزانہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے، اس میں خود شہنشاہ حقیقی نے اپنے بندوں کو دعا کا طریقہ سکھاتے ہوئے صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلنے کی استدعا سکھائی ہے۔ یعنی بندے یوں دعا کریں

اھد نا الصراط المستقیم (الفاتحہ:۵)

ترجمہ: (اے مولا) ہمیں سیدھے راستے پر چلا

اب رہ گیا کہ مولا کی نظر میں صراط مستقیم یا سیدھے راستے کی پہچان کیا ہے اس لئے کہ

**کل حزب بما لدیھم فرحون (المؤمنون:۵۳)**

ترجمہ: ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔

یعنی ہر گروہ اپنے مذہب کو سچا اور اپنے راستے کو سیدھا سمجھتا ہے لہذا ضروری تھا کہ خود قرآن پاک نازل کرنے والا اللہ اس کی وضاحت فرما دیتا، چنانچہ اس نے صراط مستقیم کی وضاحت بھی ساتھ ہی اسی سورہ فاتحہ میں کردی اور فرمایا

**﴿صراط الذین انعمت علیھم﴾**

ترجمہ: راستہ ان کا جن پر تو نے احسان وانعام کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے راستے کو اپنا راستہ فرماتا ہے اور اس پر چلنے کی دعا تلقین فرمایا اور مولوی اسماعیل صاحب اس کے بالکل برعکس پہلوں کی رسموں، بزرگوں کے حالات، علماء دین کی توفیق اور عقل کے ارشاد سب کو چھوڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔

اسمٰعیل دہلوی وہابیت کے دوسرے اصول یعنی علماء دین اور ائمہ مجتہدین سے بے نیاز ہو کر ہر شخص کو خود قرآن وحدیث سمجھنے کی ہدایت یوں فرماتے ہیں۔

''اور یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ ورسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہئے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں، سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں۔ ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔'' (تقویت الایمان)

غرض مولانا نے اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ 'اللہ رسول کے کلام کو سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہئے۔ آیئے قرآن پاک ہی سے فیصلہ کرالیں۔ اللہ جل مجدہٗ فرماتا ہے

**وتلک الامثال نضربھا للناس و ما یعقلھا الا العلمون (العنکبوت:۴۳)**

ترجمہ: یہ مثالیں ہیں جنھیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور انھیں نہیں سمجھتے مگر عالم

اسمٰعیل کا یہ دعویٰ کہ قرآن پاک سمجھنے کے لئے علماء کی ضرورت نہیں، قرآن پاک کے بالکل خلاف ہے (اس مدعا پر بکثرت آیات پیش کی جا سکتی ہیں ایک یہی ہے بعض آئندہ آئیں گی)

## مولانا مودودی کا کارنامہ:

آپ نے دیکھا برعظیم پاک وہند کے اولین وہابی، نے بھی اگر چہ اسلاف سے بدظن اور بے نیاز کرنے کی پوری کوشش کی مگر پھر بھی ان کا نام لینے کی جرأت اسے بھی نہیں ہوئی۔ سیدنا حضرت امام غزالی قدس سرہ کی علمی کاوشوں کو ہمیشہ احترام سے دیکھا گیا اور ان کے پراثر طرز بیان سے بگڑے ہوئے مزاج راہ پر آتے رہے، عالم اسلام کو اپنے عظیم محسن پر ہمیشہ ناز رہا، مگر مولانا مودودی نے نام لے کر ان کی عیب جوئی کی اور اپنے عقیدت مندوں کو حضرت امام قدس سرہٗ کی عقیدت سے محروم کردیا۔

نجانے ایسے بزرگوں کو جو خود اسلام کی صداقت کی ایک دلیل ہوتے ہیں، مولانا مودودی ان کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے اسلام کی کیا خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں

امام غزالی کے تجدیدی کاموں میں علمی اور فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے

ذہن پر عقلیات کے غلبے کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھی۔ (تجدید واحیائے دین)

یہی وہ امام غزالی قدس سرہٗ ہیں جن کی شان میں جلال الدین اکبر کے درباری ملا ابوالفضل نے ایک بے ادبی کا لفظ کہہ دیا تو حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ ناراض ہو گئے، اس نے معذرت کی تو پھر اسے معاف کیا۔ (یہ آپ کے شباب کا واقعہ ہے) یہی وہ امام ہیں جن کے بارے میں امت کے مختلف افراد کو اس قسم کے اشارے ہوتے رہے۔ مثلاً نفحات الانس کی ایک روایت کے مطابق حضور پرنور ﷺ کسی خوش نصیب کے خواب میں تشریف لائے تو اس نے بعض مشاہیر امت کے بارے میں سوال کیا امام غزالی علیہ الرحمہ کے بارے میں پوچھا تو جواب عالی تھا

فَازَ مَقْصُوْدَہٗ ﴿وہ اپنے مقصود کو پہنچ گیا﴾

اسی قسم کا تاثر رہا ہے ان کے بعد آنے والے اکابر امت میں مگر امت کو اتحاد کا پیغام دینے والے مودودی صاحب کی راہ اس کے برعکس ہے۔

اس سلسلے میں اور بھی کئی مکاشفات پیش کئے جا سکتے ہیں، یہ صوفیہ کرام کے ہوں گے اور ان کی قدر بارگاہ خداوندی میں ہو تو ہو، بارگاہ مودودیت میں کوئی حیثیت نہیں۔ ایسے حوالے بھی پیش کیے جا سکتے ہیں کہ غیر مسلم متشرقین انھیں (یعنی حضرت امام غزالی قدس سرہ العالی کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتے ہیں) مگر وہ تو غیر مسلم ہیں، حضرت مودودی کو اس سے کیا غرض اسے تو گویا پاکان امت کی عیب جوئی اور عیب گوئی کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ ورنہ وہ حضرت اقبال جنھوں نے مودودی صاحب کو پٹھانکوٹ بلایا تھا، ان سے پوچھ لیجئے۔ انھیں دور حاضر کے مسلمانوں کی المناک صورت حال کی ایک وجہ یہ نظر آتی ہے

؎ فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

ایک یہ حضرت ہیں کہ 'غزالی' کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔

## حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی:

بھی امت مسلمہ کے عمومی اور برعظیم کے مسلمانوں کے خصوصی محسن ہیں۔ آپ نے اپنے دور کے فرعون اعظم جلال الدین اکبر کا مقابلہ کیا اور اسلام کو حیات تازہ بخشی۔ عموماً مورخین کا خیال ہے اگر اکبر کو کچھ اور مہلت مل جاتی تو چار پانچ سال میں برصغیر سے اسلام کا (معاذ اللہ) نام ونشان مٹ جاتا۔ حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے نہ صرف ملک کے طول وعرض میں اسلام کا ڈنکا بجایا بلکہ خود ملحد اعظم اکبر کی اولاد کو کفر وارتداد سے بچایا۔ حتیٰ کہ جہانگیر جس نے آپ کو قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کیا تھا، آخر اسلام کا پاسبان بن گیا، اس کا بیٹا شاہجہان اس سے بھی سبقت لے گیا اور اس کا پوتا اورنگزیب خود اپنی صدی کا مجدد قرار دیا گیا۔ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحریک تجدید دین آپ کے جانشین قیوم ثانی حضرت سیدنا محمد معصوم قدس سرہ کے دور میں پورے عروج پر آ گئی اور دنیا کے اٹھائیس ملکوں کے بادشاہ آپ کے مرید تھے (جن میں ایک یہی اورنگ زیب بھی تھا) یہ ہیں وہ مجدد رضی اللہ عنہ، جو گویا تاریخ اسلام کے مجدد اعظم ہیں مگر مودودی صاحب ان سے بھی ناراض ہیں، اور انھیں ناقص سمجھتے ہیں

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے انھیں کی بارگاہ میں بار بار جو ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے، کونسا باخبر اس سے بے خبر ہے، مثلاً ایک پوری نظم جس کے ابتدائی اشعار کچھ یوں ہیں۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

اس کے علاوہ بھی کئی مقامات پر آپ کے ذکر خیر کی سعادت حاصل کی۔ مثلاً بال جبریل کی پوری غزل کی ردیف 'اے ساقی' ہے، میں ساقی سے مراد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ جناب مودودی صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ ہی ان کے خلفاء بلکہ سارے سلسلے کی نفی کر دی ہے، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نام لیا ہے۔ ہاں ہاں یہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں جو برصغیر کے سب سے بڑے عالم ہیں، جنھوں نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دے کر مرہٹوں کی خطرناک اسلام دشمن طاقت کو تہس نہس کر دیا، اللہ کی اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی ان پر بے شمار مہربانیاں ہیں، خصوصاً ایک واقعہ انھیں کی زبان سے سنئے جسے عربی سے اردو میں منتقل کیا جاتا ہے **در الثمین فی مبشرات النبی الامین** میں تیسری حدیث کے تحت فرماتے ہیں

حسنین رضی اللہ عنہما کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں قلم ہے، ایسا کہ اس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ مجھ کو قلم عنایت کریں اور فرمایا ھذا قلم جدی رسول الله (یہ میرے نانا جان رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے) پھر آپ نے ہاتھ میں روک لیا اور فرمایا امام حسین رضی اللہ عنہ اسے درست کر دیں سو امام حسین رضی اللہ عنہ نے سنوار کر مجھے عنایت فرمایا۔ پھر چادر آئی تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھا کر فرما یا ھذا رداءُ جدی رسول الله (یہ میرے نانا جان حضور ﷺ رسول خدا کی چادر ہے) پھر مجھے اوڑھائی۔ اس روز سے میرا سینہ علوم شریعت میں کتابیں تصنیف کرنے کے لئے کھل گیا، والحمدللہ

یہ ہیں وہ مجدد الف ثانی اور یہ ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کی عظمت پر جناب مودودی نے محسن کشی کرتے ہوئے یوں تیراندازی کی ہے۔

"پہلی چیز جو مجھ کو مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کاموں میں کھٹکی ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی"۔ (تجدید واحیائے دین)

افسوس! ساری ملت کو بیمار قرار دینے والے مودودی صاحب کو عمر بھر اپنی بیماری کی تشخیص کا موقع نہ ملا۔ ساری تاریخ اسلام اٹھا کر دیکھ لیجئے کیا ایسا دریدہ دہن کوئی اور بھی گزرا ہے جس کی آنکھ میں کسی بڑے سے بڑے انسان کی حیا نہ ہو سچ فرمایا حضرت مولائے روم قدس سرہ نے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند!!

ذرا خیال فرمایئے حضرت سیدنا مجدد الف ثانی ایک صدی کے نہیں، ایک ہزار سال کے مجدد ہیں اور اہل سنت کے علاوہ دیوبندی اور غیر مقلد بھی ان کے ادب پر مجبور ہیں۔ آج کم از کم برعظیم میں اسلام یا مسلمان ہیں، اور یہاں اذان و نماز کا جتنا اہتمام ہے، یہ سب صدقہ ہے حضرت مجدد الف ثانی کا، مگر جن کے نام کا وسیلہ بھی ہزاروں آفتوں کے مقابلے میں ڈھال ہے، جن کے مکتوبات شریعت و طریقت کی تعلیمات کا قابل قدر سرمایہ ہیں اور بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مقبول ہیں۔ جن کا مزار بھی زندہ ہے یعنی مرکز فیوض و برکات ہے اور مہبط انوار وتجلیات ہے، جس سے ہزار ہا اولیاء نے فیض پایا اور پار ہے ہیں، ہاں سے مودودی صاحب کو پٹھان کوٹ بلانے والے (بقول ان کے) حضرت اقبال بھی

فیض یاب ہوئے اور جہاں سے انھیں یہ خوشخبری ملی، اقبال خود فرماتے ہیں۔

''(مزار پر) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت (مجدد) کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہیں، آنحضور ﷺ کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے''۔ (حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر اقبال)

اور ان کے ساتھ ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں جنھیں محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے دولاڈلے شہزادوں نے یعنی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اپنے نانا جان سرور کون ومکان اور ہادیٔ انس وجان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلم اور چادر عنایت فرمائی اور اس طرح تصنیف کے لئے ان کا سینہ کھل گیا، کہاں یہ بے مثل سعادت اور کہاں ایسی تمام نعمتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم جناب مودودی کی ژاژ خائی۔ حضرت شاہ صاحب کے بے شمار کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فیوضات نقشبندیہ سے قوم کو بزرگوں کی راہ سے ہٹنے نہ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایران سے جو بدعقیدگی درآمد ہو رہی تھی، اس کا مسکت، موثر اور بھرپور جواب دیا۔ مگر یہی کارنامہ تو مودودی صاحب کی نظر میں کھٹکتا ہے، وہ کسی کو بزرگوں کا عقیدت مند دیکھنا برداشت نہیں کرتے انھوں نے اپنے جاں نثار جیالوں کو گستاخ و بے ادب ہی تو بنایا ہے، سب کے گستاخ، مگر مودودی صاحب کے جاں نثار اور ان کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے والے۔

آیئے جاتے ہوئے حکیم الامت حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کی ایک اور گواہی پیش کرلیں۔

''غلام رسول مہر نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علامہ اقبال نے بارہا فرمایا کہ ہندوستان کے صوفیہ میں حضرت مجدد الف ثانی، علماء میں شاہ ولی اللہ اور شاہوں میں اورنگ زیب علیہم الرحمۃ یگانہ ہیں'' (حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال از ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

## مولانا مودودی کا کردار:

۲۷ اپریل ۲۰۰۳ء کے نوائے وقت سنڈے میگزین میں سید منور حسن سیکرٹری جنرل جماعت اسلام پاکستان کی سلسلہ وار یادداشتوں کی قسط نمبر ۴ شائع ہوئی ہے۔ یہ ان کا انٹرویو ہے، اس میں وہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سوال: مولانا مودودی کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد بھی آپ کے گھر میں نذر و نیاز کا سلسلہ جاری رہا؟

جواب: یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ میں ایک مرتبہ مولانا مودودی کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے پوچھا 'مولانا! ماں کے حقوق کیا ہیں؟ مولانا نے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر مسکرا کے کہا 'اصل بات بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟ میں نے کہا 'مولانا! آپ کو معلوم ہے، ہمارے گھر میں نذر و نیاز کی روایت موجود ہے۔ آپ مجھے بتائیں کیا نیاز کا کھانا جائز ہے؟ مولانا نے کہا دیکھو بھائی! کھانا کھانا ہوتا ہے، اس میں حلال وحرام کی قیود ہیں، لیکن وہ دوسری ہیں۔ پھر انھوں نے مجھے بتایا کہ میری والدہ کا تو اب انتقال ہو چکا ہے لیکن وہ ساری عمر نذر و نیاز کرتی رہیں۔ انھیں آخری وقت تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ان کا بیٹا 'وہابی' ہو گیا ہے۔ پھر مولانا نے مجھے نصیحت کی کہ اس معاملے میں حکمت کو ملحوظ رکھوں، خواہ مخواہ اسے گھر میں ایشو نہ بناؤں دینی اعتبار سے یہ کوئی فکر مندی والی بات نہیں ہے۔

دیکھا مودودی صاحب کا طرز عمل، جو محبوبان خدا دنیا سے جا چکے ہیں جو چاہے انہیں کہو اور ماں ابھی زندہ ہے، تقیہ کرلو۔ اور یہی تقیہ اپنے شاگردوں کو سکھا رہے ہیں۔ نذر نیاز کا کھانا اگر دوسروں کے لئے حرام ہے تو اپنے لئے اور اپنے گھر میں کیوں حلال ہو گیا؟

# شاہ ابرار زندہ و مختار

حضور مفکر اسلام
پروفیسر محمد حسین آسی علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان آیتوں کے درج کرنے سے ''ملحد'' صاحب فرماتے ہیں:

''سچی بات یہ ہے کہ قرآن میں جو حیات شہداء کی آیتیں آئی ہیں وہ اس لئے نہیں آئی ہیں کہ شہداء کو وسیلہ بنایا جائے یا ان کو پکارا جائے بلکہ وہ یہ بتانے آئی ہیں کہ مومن کا یہ فرض ہے کہ ایمان کا بول بالا کرنے کیلئے اپنا آخری قطرۂ خون تک نچھاور کر دے............''

گویا یہ تسلیم ہے کہ آیتیں حیات شہداء کی ہیں اور اس کے باوجود بھی انہی سے حیات شہدا کا انکار کرتا ہے گویا

ع چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

اور اس سے زیادہ بدنصیب، ضدی اور منہ پھٹ کون ہوسکتا ہے۔ پھر اگر ان سے ایمان کا بول بالا کرانے کیلئے زندگی قربان کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے تو اس سے بہتر انداز کیا ہوسکتا تھا کہ تم اللہ کی راہ میں قتل ہوجاؤ۔ اس کے باوجود زندہ رہو گے۔

بقول مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ

جاں وہی در راہ حق جانہاد ہند
ناں دہی در راہ حق نانہاد ہند

ثواب کا یہ قاعدہ قرآن پاک میں مذکور ہے یعنی **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** یعنی جو ایک نیکی لایا اسے دس نیکیوں کا ثواب تو جس نے ایک جان دی اسے کم از کم دس جانیں ملنی چاہئیں۔ ایک جان کے ساتھ جسم زندہ تو دس جانوں کے ساتھ اس کی زندگی کیسی ہوگی۔ نیز وہ زندہ ہیں تو پھر ان کو پکارنے اور وسیلہ بنانے سے کہاں روکا گیا ہے (یہ بات ظالم نے کہاں سے نکالی ہے کہ آیتیں اس لئے آئیں اور اس لئے نہیں آئیں) اگر زندہ ماں، زندہ باپ، زندہ بھائی اور زندہ دوست کو پکارنے سے شرک نہیں ہوتا تو زندہ شہید کو اس کی قبر پر پکارنے سے شرک کا کیا خطرہ رہ گیا وسیلے کا تو قرآن پاک نے خود حکم دیا:

**ابتغوا اليه الوسيلة** (سورۃ المائدہ)

ترجمہ: ''اس (خدا) کی طرف وسیلہ تلاش کرو''

ظاہر ہے وسیلہ بننا مخلوق کی صفت ہے، خالق کی نہیں۔ لہذا جنہیں اللہ کا قرب حاصل ہے، یقیناً دوسروں کیلئے وسیلہ بننے کے اہل ہیں اور

شہداء مقرب بارگاہ خداوندی ہیں۔ ابھی چند سطریں بعد دیکھ لیجئے گا۔ اب آیئے اس کی پیش کردہ پہلی آیت کی طرف:

**ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون**

ترجمہ: ''اور جو خدا کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں شعور نہیں''

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے ''جسم'' ہیں، روحیں نہیں۔ لہذا یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ ان کے جسم بھی زندہ ہیں (جب کہ روحیں سب کی زندہ ہوتی ہیں) کتنا واضح حکم ہے کہ ان کو مردہ نہیں کہنا۔ اس لئے کہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہاری آنکھیں انہیں خاک وخون میں لوٹتا ہوا دیکھیں، ان کے سرتن سے جدا دیکھیں یا ہر عضو کو پارہ پارہ دیکھیں، پھر دفن ہوتا بھی دیکھیں تو بھی انہیں مردہ ہرگز نہ کہیں۔ کیونکہ انہیں مردہ دیکھنا تمہارے شعور واحساس کی خامی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے شعور واحساس کو بے عیب سمجھتے ہوئے ان کی جسمانی زندگی کا انکار کرتا ہے تو اس کی مرضی۔ قرآنی عقیدہ بہرحال انہیں جسماً زندہ ماننا ہے۔ اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر یقین رکھنے والے اور قرآن کے اس صریح حکم سے بغاوت کرنے والوں نے ایک نیا بہانہ تلاش کر لیا۔ واقعی

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

وہ بہانہ اگلی آیت کے اس لفظ سے گھڑا ہے۔ پہلے اس کے تحریر کردہ الفاظ آیت درج کئے جاتے ہیں:

**ولا تحسبن الذین قتلو فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون**

ترجمہ: ''اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت خیال کرو۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے مقرب ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں۔

اس **عند ربھم** سے اس نے دھوکا دینا چاہا ہے۔ عند صرف نزدیک کے معنی میں نہیں آتا بلکہ ''مقرب'' کا مفہوم لئے ہوئے ہے جیسے خود قرآن پاک میں رب فرماتا ہے:

**ومن عندہ لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون (الانبیا)**

ترجمہ: اور جو اس کے مقرب ہیں تکبر نہیں کرتے۔ اس کی عبادت سے اور نہ تھکتے ہیں

''خدا کے نزدیک'' سے یہ مفہوم لینا کہ بعض چیزیں خدا کے نزدیک نہیں یعنی دور ہیں، سخت گمراہی بلکہ کفر ہے۔ اسلامی عقیدہ توحید میں یہ بات بھی شامل ہے کہ خدا زمان ومکان اور جسم وشکل سے پاک ہے۔ جہاں تک اس کے علم وقدرت کا تعلق ہے، وہ ہر نزدیک سے نزدیک ہے۔

**نحن اقرب الیہ من حبل الورید**

ترجمہ: ہم اس کی (یعنی انسان کی) شہ رگ سے بھی اس سے قریب تر ہیں۔

تو اس آیت کے الفاظ کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ شہداء اللہ کے ہاں مقرب ومکرم ہیں۔ (اور جو مقرب ہو وہ وسیلہ بن سکتا ہے)

اس کی پیش کردہ پہلی حدیث میں بھی اس کے دھوکے کا سارا دارومدار اسی ''**عند ربھم**'' پر ہے لہذا تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ جسم والی چیز کے نزدیک ہونا فاصلے کی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جو جسم سے ہی پاک ہے اس کے نزدیک ہونا گویا روحانیت میں مقرب ہونا ہے، فاصلے کی کوئی بات نہیں۔ تاہم اس کا ترجمہ جو اس نے کیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔

''عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اپنے اصحاب سے کہا، جب تمہارے بھائی احد کے دن شہادت سے ہمکنار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو اڑنے والے سبز قالبوں میں ڈال دیا اور انہوں نے جنت کی نہروں پر آنا جانا شروع کر دیا۔ جب اس طرح انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی آسائشیں مہیا پائیں تو آپس میں کہا کہ کون دنیا میں ہمارے بھائیوں تک ہمارے بارے میں یہ بات پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ برتیں

اور جہاد کے وقت کم ہمتی نہ دکھائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں یہ بات پہنچادوں گا پھر مالک نے (سورۂ آل عمران کی) یہ آیتیں نازل کیں ''جولوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں' ان کو مردہ نہ سمجھو' وہ حقیقت میں زندہ ہیں اوراپنے رب کے پاس رزق پارہے ہیں''۔

حدیث پاک کے مضمون پر غور کریں تو الجھن نہیں رہتی پھر دیکھئے اس ترجمے کا یہ جملہ ''اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو اڑانے والے قالب تیار کئے۔انسانی جسم قبر ہی میں ہیں اور کسی ایک لفظ سے بھی اس کی تردید نہیں ہوتی۔مشکوٰۃ شریف اور شرح الصدور، از علامہ سیوطی قدس سرہ جس کے بہت سے حوالے ہماری اس تحریر میں آگئے ہیں، متعدد روایات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ شہدا کی ارواح تو نئے قالبوں میں جنت کی سیر کرتی ہیں مگر جسم قبر میں رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود ''قبر'' بھی جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنادی جاتی ہے۔لہذا شہید اور یونہی صالح بندے جنت میں بھی ہوتے ہیں اور قبر میں بھی (کیونکہ یہ قبر بھی تو جنت بن گئی ہے) رہ گیا جزا کے طور پر جنت میں باقاعدہ داخلہ تو یہ حشر ونشر اور حساب کتاب کے بعد ہی ہوگا۔اسی لئے حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

**انا اول من یقرع با ب الجنة (مسلم شریف)**

ترجمہ: میں سب سے پہلے جنت کا دروزہ کھٹکھٹاؤں گا۔

ظاہر ہے حضور اکرم ﷺ کے وصال شریف سے پہلے انبیا □ (سوائے حضرت عیسیٰ ◆) اور پہلے دن سے لے کر لاکھوں شہدا دنیا سے رخصت ہوگئے، اگر یہ سب معروف معنی میں جنت میں ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ سب سے پہلے جنت میں، میں داخل ہوں گا۔

پھر حضور اکرم ﷺ کا شہداء احد کے مزارات پر ہر سال تشریف لے جانا آخر کس لئے تھا اور وہاں جاکر اس پرزور انداز میں ان کی زندگی کی گواہی دینا کس لئے۔

یہاں ایک اور سوال بھی ان محققین سے پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ حدیث بالا میں شہیدوں نے جو کچھ کہا اور اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا، حضور اکرم ﷺ نے اسے جبریل امین ◆ کے حوالے سے بیان نہیں فرمایا بلکہ انداز بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے زمین پر رہتے ہوئے یہ مکالمہ سنا، اسی لئے کسی واسطے کا ذکر نہیں فرمایا اب سوچئے اگر زمین سے جنت کی آواز سن سکتے ہیں تو بالفرض جنت میں بھی ہوں تو کیا ہم سیاہ کاران امت کی فریاد نہیں سن سکتے اور اگر سن سکتے ہیں تو ''یارسول اللہ'' کی پکار میں کیا حرج ہے۔

## دوسری حدیث پاک:

دوسری حدیث پاک جو اس نے پیش کی ہے، اس کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو پہلی حدیث پاک میں آپ دیکھ چکے۔ باقی حصے کا ترجمہ جو خود اس نے دیا، حسب ذیل کیا:

''......(جنت میں ان گھومنے والی روحوں) کی طرف ان کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کسی اور چیز کی تمہیں خواہش ہے۔ شہدا نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کرسکتے ہیں جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مزے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تین بار ان سے یہی دریافت کیا اور شہدا نے دیکھا کہ جب تک کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے، ان کا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا تو انہوں نے کہا مالک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری روحوں کو پھر ہمارے جسم میں واپس لوٹایا جائے اور ہم دوسری بار تیری راہ میں شہید کئے جائیں۔ اب کہ مالک نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش ہی نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔ (ترجمہ: عبارت ص ۱۳۵، ۱۳۶ مسلم جلد ۲، مطبوعہ دہلی)

اس کے بعد متصل ملحد صاحب کے یہ دو جملے بھی ملاحظہ فرمائیے:

امام مسلم نے یہ حدیث لاکر بہت سی باتیں بیان کردیں۔

''شہید کو نیا اڑنے والا جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ جنت کے مزوں میں خوش و خرم رہتا ہے''

اس حدیث پاک سے جو خود اس نے نتیجہ نکالا ہے، وہ ہمارے موقف کے عین مطابق ہے یعنی جنت میں جس قالب میں روحیں اڑتی ہیں، وہ نہیں جو قتل ہوا تھا اور جس کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے قرآن پاک نے منع فرمادیا ہے اور وہ جسم ان کی قبر میں زندہ ہے اور حساب و کتاب کے بعد جنت میں جائے گا۔ یہی ہم بار بار کہہ رہے ہیں۔ نیز کیا پوچھنا چھوڑ دیا اور انکار کر دیا، دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اور اگر ایک نہیں تو استدلال کیسا۔

رہ گئی ان کی خواہش کہ روح کو جسم میں لوٹا کر انہیں پھر شہید ہونے کا موقع دیا جائے، یقیناً یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے۔ دنیا میں ٹھہرنے کی مدت جسے عمر کہتے ہیں، متعین ہے اور یہ عمر گزار کر جانے والا ایک بار جاتا ہے، دوبارہ اسے یہاں بھیج کر اسے مکلّف نہیں کیا جاتا۔ شہیدوں کو شہید ہوتے وقت جو لطف آتا ہے، یقیناً وہ جنت میں بھی نہیں۔ حدیث کا اتنا ہی مفہوم ہے کہ ایک بار دنیا میں جا کر کافروں سے لڑیں اور شہید ہو جائیں کیونکہ شہادت کا لطف جنت میں بھی نہیں، مگر عقل عیار اسے شہیدوں کے جسموں کے مردہ ہونے اور جنت میں مقید ہونے پر محمول کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی روحوں کو دنیا میں آنے پر بھی پابندی نہیں اور جس طرح فرشتے میدان بدر میں آئے اور آسکتے ہیں، وہ بھی اس حد تک اپنی کارروائی کر لیتے ہیں نیز جس طرح فرشتے قتل نہیں ہوتے، ان کی روحیں بھی قتل نہیں ہوتیں۔

اس سلسلے میں حضرت جعفر طیار کا شہید ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنی شہادت کی سرگزشت سنانا، پیچھے مذکور ہو چکا ہے۔ (اسی طرح کئی دوسرے واقعات شرح الصدور از علامہ سیوطی میں دیکھے جا سکتے ہیں، مثلاً تابعین میں سے تین مجاہد بھائیوں کا مشہور واقعہ جس میں سے دو کو عیسائی بادشاہ نے کھولتے تیل میں ڈال کر شہید کر دیا۔ تیسرا بچ گیا تو یہ دونوں اس کی رسم نکاح میں شامل ہوئے۔ اس واقعے کی صحت سے انکار کی گنجائش نہیں۔

## تیسری حدیث:

جو اس نے پیش کی ہے، اس میں ایک خواب کا تذکرہ ہے جس کا آخری حصہ اس ملحد کا مدار دلیل ہے۔ اس نے جو ترجمہ کیا ہے، حسب ذیل ہے۔

(فرشتوں نے کہا) یہ شہدا کے گھر ہیں اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر اوپر اٹھایئے۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اوپر ایک بادل سا دیکھا۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ آپ کا مقام ہے۔ میں نے (نبی کریم ﷺ نے) کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا ہے اگر آپ اس کو پورا کر لیں تو اپنے گھر میں آجائیں گے۔

ذرا خیال فرمایئے یہ ملحد کتنی دور کی کوڑی لایا ہے۔ خیر یہاں سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اس قسم کے ملحدوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے انجام کا بھی معاذ اللہ علم نہیں۔ رہ گئی اس میں داخلے کی بات تو حضور پر نور ﷺ کے یہ ارشادات آپ سن چکے ہیں کہ نبی تو نبی ہیں (◆) عام صالح کی قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے اور یوں وہ قبر میں بھی ہوتا ہے اور جنت میں بھی جہاں تک جنت کے قاسم حضور ابوالقاسم ﷺ کی قبر منور کا تعلق ہے، قبر ہی نہیں، قبر و منبر کا درمیانی حصہ بھی روضہ جنت ہے بلکہ اپنے منبر کے بارے میں بھی فرمایا کہ مرے حوض پر ہے...... دیکھئے حدیث پاک:

ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة و منبری علیٰ حوضی

(البخاری: کتاب فضل الصلوۃ فی مسجد مکہ) (المسلم: کتاب الحج)

ترجمہ: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی زمین) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر (قیامت کے دن) میرے حوض پر ہوگا''

نجانے اس نے کہاں سے نتیجہ نکالا کہ حضور پرنور ﷺ اپنی قبر پاک میں نہیں بلکہ اس میں داخل ہوتے ہی اس بادل میں چلے جائیں گے۔ کاش احادیث کا حوالہ دینے والا اس قسم کی صحیح احادیث بھی سامنے رکھتا:

**الانبیاء احیا فی قبورھم یصلون (مسند ابویعلی، شفا السقام)**

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ نماز پڑھتے ہیں''

یہی نہیں گذشتہ صفحات میں مختلف انبیا کرام ؑ کا معراج شریف کی رات اپنی قبروں میں نماز پڑھنا بھی حضور اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اور اپنے پیچھے بھی اور امام شعرانی ؒ کی یہ تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ایک جسم ایک وقت میں کئی جگہ ہوسکتا ہے جیسے انبیاء ؑ قبروں میں تھے۔ بیت المقدس میں بھی اور آسمانوں پر بھی۔

کون نہیں جانتا کہ سونے والی روح جسے منامی کہا جاتا ہے، کہاں کہاں سیر نہیں کرتی اور اس کے باوجود اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ یونہی ارواح ہیں کہ جہاں چاہیں جائیں مگر جسموں سے ان کا تعلق ختم نہیں ہوتا اور انبیاء کرام ؑ کی ارواح تو دوسروں کے جسموں سے بھی لطیف ہوتی ہیں۔ لہذا جہاں چاہیں سیر فرمائیں مگر قبور سے ان کا رابطہ منقطع نہیں ہوتا۔ (دیکھئے شرح الصدور (علامہ سیوطی اور حیات النبی (علامہ کاظمی)

## چوتھی حدیث:

اس کا ترجمہ جو ملحد صاحب نے کیا ہے یوں ہے:

''سعید بن میسّب اور عروہ بن الزبیر اور بہت سے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ عائشہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تندرستی کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کو کبھی بھی وفات نہیں دی جاتی۔ جب تک جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا جاتا۔''

مقام دکھا دیئے جانے کے بعد اس کو انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے (کہ چاہے دنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ترجیح دے) پس جب آپ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں کہ آپ کا سر میرے زانو پر تھا' آپ کو تھوڑی دیر کیلئے غش آ گیا۔ پھر آپ ہوش میں آئے اور نگاہیں اوپر چھت کی طرف گاڑ دیں اور کہا **اللھم الرفیق الا علی** (اے مالک الرفیق الاعلیٰ) پس میں نے کہا یہ کہنے کے بعد اب آپ ہم دنیا والوں کی رفاقت اختیار نہ کریں گے۔ میں نے جان لیا کہ جو بات آپ فرمایا کرتے تھے، اس کے صحیح ثابت ہونے کا وقت آ گیا عائشہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری کلمہ جس کے بعد آپ نے کوئی بات نہ کی یہی کلمہ **اللھم الرفیق الاعلیٰ** تھا۔ (ترجمہ: عبارت بخاری، ص ۹۳۹، جلد ۲، مطبوعہ دہلی)

اب اس سے جو نتیجہ ملحد صاحب نے نکالا ہے، وہ بھی پڑھ لیجئے:

''بخاری نے اس طرح واضح کیا کہ جو لوگ نبی ﷺ کو اپنی مدینہ والی قبر میں زندہ مانتے ہیں وہ گویا یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کی بجائے دنیا والوں کی رفاقت کو ترجیح دی۔''

اس بدبخت سے کوئی پوچھے کہ کیا جب تک حضور ﷺ دنیا میں تشریف فرما رہے، اللہ کو رفیق نہیں سمجھتے تھے اور یہ جو فرمایا تھا کہ:

ترجمہ: ''(دنیاوالوں میں سے) اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، مگر تمہارا صاحب (یعنی نبی ﷺ) تو اللہ کا خلیل ہے) (ترمذی شریف)
تیرے نزدیک اس کا کیا مطلب ہے اور غار ثور میں آپ نے حضرت ابوبکر صدیق ◆ سے قرآنی الفاظ میں فرمایا:

**لا تحزن ان الله معنا (التوبہ)**

ترجمہ: ''نہ گھبرا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

اس کا تیرے خیال میں کیا ترجمہ ہے۔
اسی طرح موسیٰ ◆ کو عصا پھینکنے کا حکم دیا اور وہ سانپ بن گیا تو فرمایا:

**لاتخف انی لا یخاف لدی المرسلون**

ترجمہ: ''ڈر نہیں بے شک میرے پاس (یا حضور) رسولوں کو خوف نہیں ہوتا''

کیا صاف واضح نہیں ہوا کہ رسول اپنے منصب کے لحاظ سے ہمیشہ اللہ کی حضوری میں ہی رہتے ہیں۔ البتہ اس حضوری کی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اور اگر دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کی خلت و رفاقت و معیت سے محروم نہیں تو بتایئے قبر پاک میں جا کر اگر امت پر نظر کرم فرماتے رہیں تو کیا یہ خلت و معیت ختم ہو جائے گی۔

رہ گیا **اللھم الرفیق الا علیٰ** فرمانا تو یہ گویا اُنہیں تعلقات میں مزید و مخصوص اضافہ ہے جسے شہیدوں کی زندگی کا انکار کر کے لا **تشعرون** کی زد میں آنے والا نہیں سمجھ سکتا۔ ورنہ مقام نبوت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ خدا سے لے اور امت کو دے۔ نبی زمین پر ہو تو بھی خالق و مخلوق کے درمیان وجہ رابطہ ہے اور قبر میں ہو تو بھی (بلکہ عالم برزخ میں برزخیت بڑھ جانی چاہیے)
اس قسم کی روایت پیش کرنے والوں سے پوچھئے کہ کیا آپ کو نبی کے اختیار کی بھی کوئی سمجھ آئی کہ نہیں۔ کیا موت وحیات کے بارے میں اس سے بڑا اعزاز بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ نبی چاہے تو اس دنیا میں رہے اور چاہے تو اگلے جہان میں جائے۔ خدارا سوچئے کہیں یہ شرک تو نہیں ہو گیا کہ اللہ جو خالق و مالک اور بندوں کی حیات و موت کے سارے اختیارات کا مالک ہے، اپنے نبیوں کو بھی اس سلسلے میں کم از کم اپنے بارے میں ہی سہی، مرنے جینے کا اختیار دے رہا ہے۔
حدیث پر ایک اور زاویے سے بھی بات ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ سعید بن مسیّب ◆ وہی ہیں جو ایام حرہ میں (یعنی جب یزیدی لشکر مدینہ منورہ کو پامال کر رہا تھا اور مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوتی تھی) خاص روضہ سرکار ﷺ کے اندر سے آنے والی اذان پر نماز پڑھتے تھے (البدایہ والنہایہ) اور اس حدیث کی مرکزی راویہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ◻ ہیں جو حضور سید عالم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر ◆ کے وصال کے بعد پردے کا بہت زیادہ اہتمام نہ کرتے ہوئے بھی ان کی مقدس قبروں پر حاضر ہو جایا کرتی تھیں مگر جب حضرت فاروق اعظم ◆ کی قبر مبارک بن گئی تو آپ پردے کے خاص اہتمام سے وہاں آتی تھیں۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ پہلے میرے شوہر نامدار تھے اور پھر دوسرے والد ماجد (گویا دونوں محرم) اب فاروق اعظم ◆ کے قبر میں آنے کی وجہ سے یہ اہتمام خصوصی ہے۔ (مسند احمد)
گویا حضرت سعید بن مسیّب ہی کا نہیں، ام المومنین سید عائشہ ◻ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے دونوں وزیر اپنی اپنی مقدس قبروں میں موجود بھی ہیں، زندہ بھی اور زائرین کو دیکھتے جانتے بھی ہیں۔
آیئے اب تیسرے راوی حضرت عروہ بن زبیر جو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ ◻ کے حقیقی بھانجے ہیں، کی روایت جو بخاری شریف میں ہے، ملاحظہ فرمایئے:

**عن عروہ بن زبیر لما سقط علیھم الحائط فی زمان الولیدبن عبد الملک اخذوا فی بناء ہ فبدت لھم**

**قدم ففزعوا و ظنوا انها قدم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فماوجدوااحدًایعلم ذالک حتی قال لهم عروه لا والله ماهی قدم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ما هی الا قدم عمر** (بخاری شریف)

ترجمہ: ''حضرت عروہ بن زبیر ◆ سے روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جب حضور ﷺ کے حجرے کی دیوار گر گئی تو (صحابہ وتابعین) اس کو بنانے لگے۔ انہیں ایک قدم نظر آیا تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ نبی پاک ﷺ کا قدم مبارک ہے تو اس وقت کوئی حقیقت حال جاننے والا بھی نہ ملا۔ یہاں تک کہ حضرت عروہ بن زبیر ◆ نے ان سے فرمایا ''نہیں اللہ کی قسم یہ نبی پاک ﷺ کا قدم پاک نہیں ہے یہ تو حضرت عمر ◆ کا قدم انور ہے''

اس حدیث پاک سے حضرت عروہ بن زبیر ◆ کا ہی نہیں، صحابہ و تابعین کا اجماعی عقیدہ بھی سامنے آجا تا ہے کہ وہ سب حضور پرنور ﷺ اور آپ کے دونوں وزیروں کو ان کی قبروں میں جسمانی حیات کے ساتھ زندہ مانتے تھے اسی لئے تو ایک (مقدس) قدم دیکھ کر گھبرا گئے کہ کہیں یہ حضور ﷺ کا نہ ہو۔ مشاہدے نے بھی ثابت کر دیا کہ ان کا عقیدہ درست تھا کیونکہ اگر حضرت عمر ◆ کا قدم مبارک تریسٹھ برس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ہر تغیر سے محفوظ رہا تھا تو یقیناً ان کا سارا جسم پاک بھی محفوظ ہوگا اور پھر خود جان حیات حضور ﷺ کے جسم کا کیا حال ہوگا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کراچی کے ملحد کا یہ خیال غلط ہے کہ انبیاء وشہداء قبروں میں نہیں، جنت میں زندہ ہیں۔

نیز حضرت امام بخاری نے یہ حدیث درج کر کے ثابت کر دیا کہ ان کا اپنا عقیدہ بھی وہ نہیں جس کا ڈھنڈورا کراچی کا ملحد پیٹ رہا ہے بلکہ صحابہ وتابعین ◻ کے عین مطابق ہے (اور وہ ہے انبیاء ◻ اور شہداء کی قبروں میں جسمانی حیات کا) موقع مناسبت سے ایک اور حدیث کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے جو موطا امام مالک ( ◆ ) میں ہے جو حضرت امام شافعی ◆ کے نزدیک حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ ◆ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو مسلم کے دو انصاری صحابی حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی قبر کے کچھ حصے کو سیلاب بہا کر لے گیا ہے۔ دونوں کی قبر ایک تھی اور دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی قبر کو کھودا گیا تا کہ ان کے جسموں کو کہیں اور منتقل کیا جائے اور ان کو اس حال میں پایا گیا گویا کل ہی فوت ہوئے ہوں۔ ان میں سے ایک زخمی تھے، انہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حال میں دفن کئے گئے تھے۔ پھر ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو پھر اپنی جگہ پر آ گیا۔ جنگِ احد اور قبر کھودنے کے واقعے کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ (موطا شریف)

ملحد کا سارا زور اس پر ہے کہ انبیاء کرام خصوصاً حضور ﷺ وصال کے بعد قبروں میں نہیں بلکہ جنت میں ہیں۔ اس کے جواب میں کافی کچھ وضاحت ہو چکی ہے۔ تاہم دو حدیثیں مزید حاضر ہیں۔ ایک میں قبر کے کھلنے کا ذکر ہے اور دوسری میں اس سے اٹھنے کی کیفیت، چنانچہ

☆......حضرت ابو ہریرہ ◆ کے مطابق حضور ﷺ فرماتے ہیں:

**انا سید ولد اٰدم یوم القیٰمة واول من ینشق عنه القبر** (مسلم شریف)

ترجمہ: ''یعنی میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا''

الجامع الصغیر جلد ۲ کی ایک صحیح حدیث کا آخری حصہ ہے۔ حضور ﷺ حضرت عیسیٰ ◆ کے بارے میں فرماتے ہیں:

**ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولاردن علیه**

ترجمہ: اور ضرور وہ میری قبر پر آئیں گے حتیٰ کہ مجھے سلام کہیں گے اور میں ضرور ضرور ان کو جواب سلام دوں گا۔

**قبر نبوی کی زیارت کی احادیث:** رسلیا کے صفحہ ۷ پر اس ملحد نے ایک عنوان باندھا ہے ''قبر نبوی کی زیارت کی فضیلت کی بناوٹی روایتیں''۔ اس سلسلے میں اس نے صرف دو حدیثوں کو ضعیف بلکہ موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا اس سے یہ حقیقت روشن نہیں ہو جاتی کہ

بالفرض وہ سچا ہوتو بھی ان دو کے سوا باقی تمام روایات (جو آگے آرہی ہیں) صحیح اور واضح ہیں۔
ان حدیثوں میں جو اس نے پہلے لکھی ہے وہ ہے:

**من زار قبری حلت له شفاعتی (بزاز)**

اس حدیث پر وہ بہت برسا ہے اور اسے ضعیف بلکہ موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی تحقیق کے مطابق وہ زیادہ سے زیادہ ضعیف کہہ سکتا تھا مگر اس کا گستاخ قلم اتنے پر قناعت کیوں کرتا۔ حضرت علامہ سبکی ؒ نے شفاء السقام میں اس کی سند پر بہت بحث کی ہے کہ اس کے راویوں پر الزامات بے بنیاد ہیں اور بعض محدثین کے نزدیک یہ صحیح ہے۔

اب ایک طرف ایک کج ذہن ملحد ہے اور دوسری طرف ایسا علامہ جس کی شخصیت خود سند ہے۔ کون سا بے وقوف ہوگا جو علم وفضل کے ایسے وسیع سمندر کے مقابلے میں بغض وکدورت کی ایک گندی نالی کو ترجیح دے۔

لیجئے دوسری روایت جسے اس نے موضوع ثابت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں

**من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیاً من قبری ابلغته**

ترجمہ: جس نے میری قبر کے قریب درود پڑھا، اسے میں نے سن لیا اور جس نے دور سے درود پڑھا، وہ مجھے پہنچا دیا گیا۔

اس روایت کے موضوع ثابت ہونے سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ علماء دیوبند کی دلیل ہے جو حضور ﷺ کی حیات کے تو قائل بنتے ہیں مگر عالم گیر سماعت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک یہی ہے کہ حضور پرنور ﷺ روضہ مقدسہ میں حاضر ہونے والوں کا سلام سنتے ہیں، دور سے درود وسلام کا تحفہ فرشتے پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو روایت ہماری دلیل ہے، بحمدللہ بالکل صحیح ہے اب اسے دیکھئے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

**اکثروا الصلوة علی یوم الجمعة فانه یوم مشهود تشهد الملکة لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوته حیث کان قلناوبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجسادالانبیاء** (جلاالافہام ،بحوالہ ترغیب للحافظ المنذری)

ترجمہ: جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو، اس لئے کہ وہ حاضری کا دن ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے (یعنی میں اس کی آواز سنتا ہوں) وہ جہاں بھی ہو، ہم (صحابہ) نے عرض کیا حضور آپ کے وصال کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

اگر اس قسم کے ملحدین کا حدیث صحیح پر واقعی ایمان ہے تو انہیں مان لینا چاہئے کہ حضور پرنور ﷺ اپنی قبر منور میں زندہ ہی نہیں، دور ونزدیک پڑھے جانے والے درود وسلام کی ساری آوازیں سماعت بھی فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ہم تفصیل سے گذشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں۔

ملحدانہ فکر کی اصل جڑ انکار کمالات نبوت ہے اور اس کا مقصد نبی کریم ﷺ سے امت کا رابطہ ختم کرنا ہے۔ اسی لئے وہ حیات النبی کے منکر ہیں اور حیات شہدا کے انکار سے بھی ان کا یہی مقصود ہے۔ کتنے ستم کی بات ہے کہ اہل بیت، صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے بعد ساتویں صدی ہجری تک کے فقہاء ومحدثین میں سے کسی نے اس کا انکار کیا اور نہ روضہ سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کے سفر کو گناہ قرار دیا۔ آٹھویں ہجری میں ابن تیمیہ پیدا ہوا جس کے بارے میں علما فرمایا کرتے تھے:

**علمهٔ اکبر من عقله** ترجمہ: ''اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے''

نے زیارت دربار رسول ﷺ کی نیت سے سفر کو تو جائز نہ سمجھا البتہ قبر منور میں حضور نبی کریم ﷺ کی موجودگی اور حیات سے اسے بھی انکار نہیں تھا۔

# قرأة خلف الامام

محقق دوراں حافظ محمد نصر اللہ حسینی آسوی ﴿مدینہ شریف﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ نماز میں صرف باتیں بند کرانے کے لئے آئی ہے ہم کہتے ہیں اس نے نماز میں باتیں بھی بند کرادیں اور امام کے پیچھے قرأت بھی بند کرادیں۔اس پر دلیل یہ حدیث ہے۔

## اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت ہوگئی

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: صَلَّى النَّبِیُّ ﷺ فَقَرَأَ خَلْفَهُ قَوْمٌ فَنَزَلَتْ ﴿ وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی آپ کے پیچھے ایک قوم نے قراءت کی پس یہ آیت نازل ہوئی ﴿اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔﴾ (فتح القدیر الشیخ محمد بن علی الشوکانی، سورۃ الاعراف آیہ نمبر۲۰۴) تفسیر الدر المنثور ۳/۲۸۵)

## صحابہ کرام نے اس آیت کو نماز کے متعلق ہی سمجھا

عن بشیر بن جابر رضی الله عنه قال: صَلَّى ابْنُ مسعودٍ رضی الله عنه فَسَمِعَ نَاسًا يَقْرَءُوْنَ مَعَ الإمامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ:أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَفْهَمُوْا أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَعْقِلُوْا ﴿ وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ كَمَا أَمَرَكُمُ اللهُ .

حضرت بشیر بن جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو امام ساتھ پڑھتے ہوئے سنا۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کا مفہوم سمجھو ﴿ وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔تفسیر ابن کثیر جلد۲ص ۲۹۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت-لبنان (سورۃ الاعراف آیت:۲۰۴)، تفسیر الطبری، تفسیر روح المعانی)

معلوم ہوا کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تمہیں استماع اور انصات کا حکم کیا جاتا ہے۔صحابی رسول کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کی ممانعت کے لئے نازل ہوئی ہے۔اور صحابی کی تفسیر معتبر ہے اور خصوصا جب کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مسعودٍ فَصَدِّقُوْهُ ،

جو حدیث تمہیں ابن مسعود بیان کرے اس کی تصدیق کرنا۔

(ابن ماجہ حدیث ۹۷ مسند احمد حدیث ۲۲۷۶۵ اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے اپنی کتاب ,,سلسلہ الاحادیث الصحیحہ،، کی حدیث نمبر ۱۲۳۳ میں درج کیا ہے۔)

## ﴿استماع اور انصات کا معنیٰ﴾

استماع کا معنی ہے سننے کے لئے کان متوجہ کر دینا خواہ آواز کان میں آئے یا نہ آئے۔ اور انصات کا معنی ہے ترک التکلم یعنی نہ سراً کلام کرنا نہ جہراً سری کلام بھی انصات کے منافی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ،

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم پڑھ چکیں تو اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ (سورہ القیامۃ آیت ۱۶-۱۹)

مقتدی کو امام کے پیچھے کسی حالت میں قرأت جائز نہیں خواہ امام آواز سے پڑھے یا آہستہ سرّی کلام بھی انصات کے منافی ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿لا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ قال: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيْلِ شِدَّةً و كَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالیٰ ﴿ لا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ، قال: فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ اسْتَمَعَ، فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ ﷺ كَمَا قَرَأَهُ ،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد خداوندی:- ﴿تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو﴾ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے نزول کے وقت بہت مشقت اٹھاتے تھے اور اپنے ہونٹ ہلاتے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے﴾ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ تو جب ہم پڑھ چکیں تو اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ﴿فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ﴾ یعنی اسے غور سے سنو اور خاموش رہو- اس کے بعد جب جبریل علیہ السلام آتے تو رسول اللہ ﷺ غور سے قرآن سنتے اور جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو آپ اس کی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھتے۔ (بخاری حدیث ۵ کتاب بدء الوحی مسلم حدیث ۴۴۸ کتاب الصلاۃ باب الاستماع للقرآن)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ کا سراً پڑھنا بھی انصات کے منافی تھا ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا﴾ کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں سراً بھی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ یعنی قرآن کی تلاوت کے دوران دل میں پڑھنا تو درکنار تمہارے ہونٹ بھی حرکت نہ کریں۔

قرآن پاک نے استماع اور انصات کے امر کو قراءت کے ساتھ معلق کیا ہے جہر بالقراءۃ سے معلق نہیں کیا یوں نہیں فرمایا إذا جهر بالقرآءة ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا﴾ جب بلند آوز سے قراءت کی جائے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ یوں بھی نہیں فرمایا: إذا سَمِعْتُمُ القرآنَ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا﴾

جب تم قرآن سنو تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو بلکہ یوں ارشاد فرمایا ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا اورظاہر ہے اور مقتدی کو یقیناً معلوم ہی ہے کہ امام قراءت کرتا ہے سری نماز میں بھی اس کو امام کی قرأت کا علم ہے۔

آیت کا حاصل یہ نکلا کہ امام کی قراءت کی صورت جہری ہو یا سری تمہیں استماع وانصات اختیار کرنا لازم ہے اس کی خلاف ورزی ہمارے امر کی خلاف ورزی ہے اسی لئے احناف نے مقتدی کی قراءت کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اس آیت میں دو قسم کے حکم ہیں (۱) غور سے سنو (۲) خاموش رہو

ان دونوں پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی امام کے ساتھ سورہ فاتحہ نہ پڑھے چاہے امام اونچی آواز سے قراءت کر رہا ہو یا آہستہ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو مقتدی جہری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس نے مندرجہ بالا دونوں حکموں کی خلاف ورزی کی کہ نہ تو امام کی قرأت کو غور سے سنا اور نہ ہی خاموش رہا اور جو مقتدی سرّی نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس نے دوسرے حکم کی مخالفت کی کہ خاموش نہیں رہا۔

**مفسر قرآن امام ابوبکر جصاص کا فیصلہ:** مشہور مفسر امام ابوبکر جصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دلت الاية على النهي عن القراءة خلف الإمام فيما يجهر به فهي دالة على النهي فيما يخفى، لأنه أوجب الإستماع والإنصات عند قراءة القرآن ولم يشترط فيه حال الجهر من الإخفاء فإذا جهر فعلينا الإستماع والإنصات وإذا خفي فعلينا الإنصات بحكم اللفظ لعلمنا بأنه قارئٌ للقرآن .

اس آیت کی رو سے جس طرح جہری نمازوں میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے اسی طرح سرّی نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے چونکہ تلاوتِ قرآن کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اس میں جہری نماز کی کوئی تخصیص نہیں ہے الغرض جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو ہم پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اور جب وہ آہستہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا ضروری ہے چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ امام پڑھ رہا ہے۔ (احکام القرآن جلد۳ ص۳۹)

**علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کا فیصلہ:** إنَّ القراءة ثابتة من المقتدى شرعا فإنَّ قراءة الإمام له فلو قرأ له قراءتان في صلاة واحدة وهو غير مشروع . فقال آخرون إنما يقرء في السرية لأنه لايقال له مُستمع واعترض بأنه لايقال له ذلك لكن لانسلم أنه لايقال له منصت مع علمه بالقراءة بأنا لانسلم دلالة السنة على وجوب القراءة خلف الإمام .

بیشک مقتدی کے لئے شرعاً قراءت ثابت ہے کیونکہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اگر مقتدی بھی پڑھنا شروع کر دے تو پھر ایک ہی نماز میں دو قرائتیں جمع ہو جائیں گی جو ناجائز ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ جہری نمازوں میں قراءت نہیں کی جائے گی لیکن سری نمازوں (ظہر اور عصر) میں قراءت کی جائے گی کیونکہ مقتدی قراءت نہیں سن رہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مقتدی کو مستمع (قراءت سننے والا) نہیں کہا جاتا لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس کو منصت (خاموش رہنے والا) بھی نہیں کہا جاتا باوجود اس علم کے کہ امام قراءت کر رہا ہے یعنی وہ مستمع نہیں تو مُنْصِتْ ضرور ہے اور ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا قرآن وسنت کے دلائل سے واجب ہے۔ (تفسیر روحانی المعانی جلد۵/۱۴۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صرف استماع کا حکم نہیں دیا بلکہ دو حکم دیئے ہیں استماع اور انصات جب امام بلند آواز سے تلاوت کرے گا تو مقتدی دونوں حکموں پر عمل کرے گا استماع اور انصات اور جب امام آہستہ قراءت کرے گا تو مقتدی انصات (خاموش رہنے پر عمل کرے گا۔ اور اگر آہستہ قراءت میں مقتدی بھی قراءت شروع کر دے تو پھر وہ منصت نہیں رہے گا اور اس کا اَنْصِتُوْا پر عمل نہیں رہے گا اور اَنْصِتُوْا کا مطلب یہ ہے کہ

تمہارے لب بھی حرکت نہ کریں۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے نہ اس کی نماز نہیں ہوتی تو میں پوچھتا ہوں جو آدمی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے اس نے وہ رکعت پالی یا نہیں؟ اگر کہو کہ اس نے وہ رکعت پالی تو پھر سورہ فاتحہ فرض نہ رہی کیونکہ فرض کے بغیر نماز باطل ہے جیسے قیام رکوع سجود وغیرہ اور آپ نے امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی سمجھی۔ ہمارا بھی یہی نظریہ ہے یعنی ہمارے ساتھ آپ متفق ہو گئے۔ تو اگر رکوع میں ملنے والے کی وہ رکعت ہو گئی جس میں اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو اسی طرح ابتداء سے امام کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کی نماز ہو جاتی ہے جس میں انہوں قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہوئے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

اگر کہو کہ اس کی یہ رکعت نہیں ہوئی اور امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کو وہ رکعت دوبارہ پڑھنی ہوگی تو پھر آپ نے حدیث کا انکار کر دیا اور منکر حدیث اہل حدیث کہلانے کا مستحق ہے اور میں آپ کو یہ بتلاتا ہوں کہ یہ صرف نام کے اہل حدیث ہیں حدیثوں پر ان کا ایمان نہیں حدیثوں پر عمل کرنے والے سنی حنفی ہیں۔ سنی اعتدال پسند ہیں اور نبی ﷺ کے فرمان پر دل و جان سے قربان ہیں۔ غیر مقلدین انتہاء پسند، شدت پسند اور شر پسند ہیں جن کی انتہاء پسندی اس حد تک پہنچ گئی کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان عالی شان کا بھی انکار کر دیا اور قراءت خلف الامام کے ایک فروعی مسئلہ کو حق و باطل کی جنگ قرار دے کر جگہ جگہ بحث مباحثہ جنگ و جدال اور مناظرہ و مقابلہ کا بازار گرم کر دیا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد نے اپنی کتاب ,,دلیل الطالب،، میں حدیث کا انکار کرتے ہوئے صاف لکھ دیا کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والا وہ رکعت دوبارہ پڑھے اس کی وہ رکعت نہیں ہوئی۔ یہ حدیث کا مقابلہ اور شدت پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح محمد اقبال کیلانی صاحب غیر مقلد اپنی کتاب ,,نماز کے مسائل،، کے ص:78 مسئلہ:191 پر لکھتے ہیں: رکوع میں شامل ہونے والے نمازی کو اپنی رکعت دوبارہ ادا کرنی چاہئے۔ اور یہ کتاب سعودی عرب کے ہر مکتبہ سے مل رہی ہے اور اس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ آپ غور کریں کس دیدہ دلیری سے حدیث کا انکار کیا جا رہا ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو اہل حدیث اور دوسروں کو اہل بدعت کہنا چہ معنی دارد؟

اس پر کیا دلیل ہے کہ رکوع میں ملنے کی وہ رکعت ہو جاتی ہے تو سنئے اور فرمان رسول ﷺ پر دل و جان سے قربان ہو جایئے۔ اور حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح جنہیں غیر مقلدین کے چوٹی کے محدث ناصر الدین البانی نے صحیح تسلیم کیا ہے۔

## امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی وہ رکعت مکمل ہے

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسُولُ الله ﷺ: إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوا ولا تَعُدُّوْهَا شَيْئاً وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاةَ. وفى لفظ له- مَنْ أَدْرَكَ الركوعَ أَدْرَكَ الركعةَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع پا لیا اس نے رکعت پالی۔ الارواء الغلیل از ناصر الدین البانی (جلد ۲ رقم الحدیث ۴۹۶) اس حدیث کو غیر مقلد محدث ناصر الدین البانی نے الارواء الغلیل میں صحیح قرار دیا ہے، ابو داود حدیث ۸۹۳ کتاب الصلاۃ باب فی الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع، مشکوۃ حدیث ۱۱۴۳ کتاب الصلاۃ باب ما علی الماموم، سنن الکبری للبیہقی ۲۴۰۷ جلد ۲ ص ۸۹ باب ادراک الامام فی الرکوع)

معلوم ہوا کہ امام کی فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہے اور مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ فرض رہ جانے پر رکعت نہ ملتی۔

سوال: اگر رکوع میں ملنے والا تکبیر تحریمہ نہ کہے ویسے ہی رکوع میں چلا جائے کیا اس کی وہ رکعت ہو جائے گی؟

جواب: اس کی وہ رکعت نہیں ہوگی کیونکہ تکبیر تحریمہ (پہلی تکبیر) فرض ہے اور فرض کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

سوال: اگر رکوع میں ملنے والا تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد قیام نہ کرے ویسے ہی رکوع میں چلا جائے کیا اس کی وہ رکعت ہو جائے گی؟
جواب: اس کی وہ رکعت نہیں ہوگی کیونکہ تکبیر تحریمہ کے بعد کم از کم ایک تسبیح کی مقدار قیام فرض ہے اور فرض کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔
اگر تکبیر تحریمہ اور قیام کی طرح مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض ہوتی تو سورہ فاتحہ پڑھے بغیر مقتدی کی وہ رکعت نہ ہوتی اور جب حدیث پاک سے ثابت ہے کہ اس کی وہ رکعت ہو جاتی ہے تو ثابت ہوگیا امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اگر آپ حدیث پر عمل کے مدعی ہیں تو خواہ مخواہ کی ضد چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ترک کردیں یا پھر اپنے آپ کو اہل حدیث کہلوانا بند کردیں۔

دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا　　　سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

**حالتِ رکوع میں شمولیت:** جو شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اس کی وہ رکعت مکمل شمار ہوتی ہے حالانکہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی یہ بڑی واضح اور صریح دلیل ہے کہ قراءت فاتحہ مقتدی پر فرض نہیں ہے۔

عن ابی بکرۃ رضی الله عنه أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ تک پہنچے حالانکہ آپ اس وقت رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا تو فرمایا: اللہ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (مشکوۃ حدیث ۱۱۱۰ کتاب الصلاۃ باب ماعلی الماموم، بخاری حدیث ۷۸۲)

حضرت ابوبکرہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں اسی خیال سے گئے تھے کہ رکوع میں ملنے سے بغیر فاتحہ کے رکعت ہو جائے گی۔ ورنہ جلدی کی کیا ضرورت تھی رسول اللہ ﷺ نے ان کے ذہن کی تردید نہیں فرمائی اگر آپ کی وہ رکعت نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ فرما دیتے ابوبکرہ تمہاری ایک رکعت رہ گئی ہے وہ دوبارہ ادا کرو آپ نے ایسا نہیں فرمایا تو گویا رسول اللہ ﷺ نے بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ رکوع میں شامل ہونے والی کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے آپ نے صرف اتنا ارشاد فرمایا: اللہ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کا یہ ارشاد (وَلَا تَعُدْ) اس ارشاد کے مشابہ ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ,,نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ،، حدیث کا مطلب یہ ہے ﴿ولا ليس عليك أن تركع حتى تصل إلى موقفك لما في ذلك من التعب كما ليس عليك أن تسعى إذا سمعت الإقامة﴾ کہ صف میں ملنے سے پہلے رکوع نہ کرو کیونکہ اس میں مشقت ہے اسی طرح اقامت سن کر رکعات حاصل کرنے کے لئے نہ دوڑو۔ (سنن الکبری للبیہقی ۲۴۱۵ جلد ۲ ص ۹۰)

باب من ركع دون الصف وفي ذلك دليل على إدراك الركعة ولولا ذلك لما تكلفوه یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کی وہ رکعت ہو جاتی ہے اگر وہ رکعت ہوتی تو یہ تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ طبرانی نے امام حسن سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد حضور ﷺ نے پوچھا کس نے ایسا کیا تو حضرت ابوبکرہ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا تا کہ آپ کے ساتھ میری یہ رکعت فوت نہ ہو جائے (فتح الباری باب إذا ركع دون الصف)

نبی کریم ﷺ کے اس واضح فرمان کے بعد کسی کو یہ جراءت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ رکوع میں ملنے والے کو رکعت لوٹانے کا کہے۔ جو ایسا کہتا ہے گویا وہ نبی کریم ﷺ کے مقابلہ میں ایک نیا دین اور ایک نئی شریعت پیش کر رہا ہے۔ جس کا دین محمدی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

کاتب وحی حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ

إن زيد بن ثابت وابن عمر رضي الله عنهما كانا يفتيان: اَلرَّجُلُ إِذَا انْتَهَى إِلَى القومِ وَهُمْ ركوعٌ أن يُكَبِّرَ تكبيرةً وَقَدْ أدْرَكَ الركعةَ قالا: وإنْ وَجَدَهُمْ سُجودًا سَجَدَ معهُم وَلَمْ يُعْتَدَّ بِذَلِكَ.

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو شخص جماعت کو رکوع کی حالت میں پائے وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرلے تو اس نے رکعت کو پالیا، البتہ اگر وہ سجدہ کی حالت میں شریک ہو تو وہ ان کے ساتھ سجدہ کرے لیکن اس کی یہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۸۷)

جمہور علماء امت کا مسلک: شیخ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں نواب صدیق حسن خاں نے ,,بدور الاہلہ،، شمس الحق عظیم آبادی نے ,,عون المعبود،، میں اور شوکانی نے نیل الاوطار،، میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ جمہور علماءِ امت کا مسلک یہی ہے کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوگی۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

والمسبوق إذا لم يتسع وقت قيامه لقراءة الفاتحة فإنه يركع مع إمامه ولايقرء الفاتحة باتفاق الائمة وإن كان فيه خلاف فهو شاذ جماعت میں تاخیر سے شامل ہونے والے شخص کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ملے تو وہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اس سلسلہ میں اختلاف کی حیثیت شذوذ کے مترادف ہے۔ (مختصر فتاویٰ ابن تیمیہ ص:59)

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ رکوع میں ملنے والے کی پوری رکعت شمار ہوگی مگر بعض علماء اس کے مخالف ہیں۔ (بدور الاہلہ)

الغرض موصوف کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موصوف کو اپنی مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے جمہور علماء کا رستہ چھوڑ گئے۔

مشہور غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی نے لکھا ہے۔ کہ قاضی شوکانی نے ابتداء ,,نیل الاوطار،، میں یہی لکھا ہے۔ کہ رکوع میں شامل ہونے سے وہ رکعت شمار نہیں ہوتی لیکن بالاخر ,,فتح الربانی فتاوی الشوکانی،، میں اس قول سے رجوع کرلیا اور جمہور کے مسلک کو راجح قرار دیا چونکہ اس کے دلائل موجود ہیں ملاحظہ ہو۔ (عون المعبود: الرجل یدرک الامام ساجدا)

الغرض بخاری شریف کی روایت حضرات صحابہ کرام کے فتاویٰ اور جمہور علماء امت کے مسلک سے معلوم ہوگیا کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت شمار ہوتی ہے اور قاضی شوکانی نے غیر مقلد ہونے کے باوجود بالاخر اسی موقف کو راجح قرار دیا۔ چونکہ یہ مؤقف دلائل کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ الحاصل جب غیر مقلدین کے صف اوّل کے ائمہ نے یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے تو غیر مقلدین مقتدیوں کو بھی ضد چھوڑ کر دلوں میں وسعت پیدا کر کے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے جمہور کا مسلک اختیار کرنا چاہئے اور حدیث پر عمل کر کے اہل حدیث ہونے کے دعویٰ پر دلیل قائم کرنی چاہئے کیونکہ دعویٰ بلا دلیل مردود ہے۔ خير الكلام ما قَلَّ ودَلَّ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتوی

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: مَنْ لَمْ يُدْرِكَ الإمامَ راكعًا لَمْ يُدْرِكْ تِلْكَ الرَّكْعَةَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص امام کو رکوع میں نہ پاسکے وہ اس رکعت کو نہ پاسکا۔ یعنی جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے وہ رکعت پالی۔ (بیہقی ۲/۹۰ (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۸۷)، ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو

ارواء الغلیل میں صحیح کہا ہے۔ (جلد۲/۲۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہ کرام کے عمل اور فتویٰ سے ثابت ہوگیا کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے کی وہ رکعت مکمل ہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا لازم نہیں احناف کا اسی پر عمل ہے جبکہ کسی ایک حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی اس رکعت کا اعتبار نہیں۔

## ﴿حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل﴾

عن زيد بن وهب قال: خَرَجْتُ مع عبدِ الله بن مسعودٍ رضى الله عنه مِنْ داره إلى المسجدِ فَلَمَّا تَوَ سَّطْنَا المسجدَ ركع الإمامُ فَكَبَّرَ عبدُ الله ثُمَّ ركَعَ وَرَكَعْتُ مَعَهُ حَتَّى رَفَعَ القَوْمُ رُؤُوسَهُمْ قَالَ: فَلَمَّا قَضَى الإمامُ الصلاةَ قُمْتُ وَأَنَا أَرَى أَنِّي لَمْ أُدْرِكْ فَأَخَذَ بِيَدِى عبدُ الله فَأَجْلَسَنِي وَقَالَ: إِنَّكَ قَدْ أَدْرَكْتَ.

حضرت زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے مسجد کی طرف نکلے جب ہم مسجد کے درمیان میں پہنچے تو امام نے رکوع کر دیا حضرت عبداللہ بن مسعود نے تکبیر کہی اور رکوع کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ رکوع کیا پھر ہم چلے یہاں تک کہ صف میں جا ملے حتیٰ کہ قوم نے رکوع سے اپنے سر اٹھائے جب امام نے نماز مکمل کی تو اٹھا اور میں نے خیال کیا کہ میں نے وہ رکعت نہیں پائی تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا دیا اور فرمایا: تو نے وہ رکعت پالی۔ (ارواء الغلیل از ناصر الدین البانی وسندہ صحیح (جلد۲/۲۶۳ رقم الحدیث ۴۹۶)

اگر سورہ فاتحہ امام کے پیچھے فرض تھی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ رکعت کیسے ہوگئی؟ معلوم ہوا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قرأت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز جس میں آپ نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پڑھی ہوئی فاتحہ کو اپنے لئے کافی سمجھا

عن ابن عباسٍ رضى الله عنهما قَالَ: لَمَّا مَرِضَ رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم مَرَضَهُ الَّذِى مَاتَ فِيْهِ جَاءَ بلالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلاةِ فَقَالَ: مُرُوْا أبَابكر يُصَلِّى بِالنَّاسِ فَخَرَجَ أبُوبكر فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَوَجَدَ رسول الله صلى الله عليه وسلم فِي نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلاهُ تَخُطَّانِ فى الأرضِ فَلَمَّا رَآهُ النَّاسُ سَبَّحُوْا بِأَبِى بكر فَذَهَبَ لِيَسْتَأْخِرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَىْ مَكَانَكَ فَجَاءَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فَجَلَسَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَقَامَ أبو بكر فَكَانَ أَبُوبكر يَأْتَمُّ بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِأَبِى بكر رضى الله عنه قَالَ ابْنُ عباسٍ رضى الله عنهما وَأَخَذَ رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم مِنَ الْقِرَاءَ ةِ مِنْ حَيْثُ كا ن بَلَغَ أبُو بكر قَالَ: فَمَاتَ رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم فى مَرَضِهِ ذَلِكَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کا انتقال ہوا حضرت بلال رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور نماز کے متعلق خبر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی چنانچہ آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے نماز کے لئے نکلے اور آپ کے قدم مبارک زمین پر نشان بنا رہے تھے جب لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبردار کرنے کے لئے سبحان اللہ کہا جب حضرت ابوبکر پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دائیں طرف بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر

اپنی جگہ پر کھڑے رہے اب حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کررہے تھے اور صحابہ حضرت ابوبکر کی اقتداء کررہے تھے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاں سے قراءت چھوڑی تھی حضور ﷺ نے اس سے آگے قراءت شروع کردیا فرمایا اسی مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔(ابن ماجہ حدیث :۱۲۳۵ کتاب إقامة الصلاة باب ماجاء فی صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ،اس حدیث کوناصرالدین البانی غیر مقلد نے حسن کہا ہے،(مسند احمد بن حنبل حدیث ۳۳۲۰/۳۳۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز سے ثابت ہوا کہ آپ نے خود سورہ فاتحہ نہیں پڑھی بلکہ حضرت ابوبکر کی پڑھی ہوئی فاتحہ کو اپنے لئے کافی سمجھا اور اس سے آگے کی قراءت شروع کردی جس سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ جماعت کی نماز میں امام کی فاتحہ سب کے لئے کافی ہے۔
اب جو لوگ کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ سب کے لئے ضروری ہے چاہے امام ہو یا مقتدی اور جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی میں اُن سے سوال کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رکعت جس میں آپ نے فاتحہ نہیں پڑھی ہوئی یا نہیں اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہیں ہوئی (نعوذ باللہ) تو ایمان جاتا رہا اگر کہے کہ ہوگئی تو میں پوچھتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہوگئی تو امتی کی نماز کیوں نہیں ہوتی ؟

## احناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو اپناتے ہیں کیونکہ وہ غیر منسوخ ہوتا ہے

عن انسٍ رضی اللہ عنہ أنَّ رسُولَ اللهِ صلی الله علیه و سلم رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الأَيْمَنُ فَصَلَّى صَلاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإمامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوساً أَجْمَعُوْنَ قَالَ أَبُو عبدُ اللهِ قالَ الْحُمَيْدِيُّ قَولُهُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه و سلم جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا لَمْ يَأمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالآخِرِ فَالأَخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم .

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گرپڑے اور دائیں پہلو میں رگڑ آگئی پس آپ نے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی تو ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ کھڑے ہوکر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی تمام بیٹھ کر پڑھو۔امام بخاری اپنے استاد حمیدی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد ,,جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو،، یہ پہلے مرض کے دوران کی بات ہے پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا کی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں فرمایا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔(بخاری حدیث ۶۸۹، کتاب الاذان، مسلم ۴۱۴ کتاب الصلاۃ، مشکوۃ حدیث ۱۱۳۹ کتاب الصلاۃ)

اس حدیث سے واضح ہوگیا احناف کا مذہب حدیث کے مطابق ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل پر عمل کرتے ہیں کیونکہ پہلے فعل میں نسخ کا احتمال ہوتا ہے جب کہ آخری فعل منسوخ نہیں بلکہ ناسخ ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پہلے رفع یدین کیا لیکن آخری عمل یہ تھا کہ آپ نے رفع یدین ترک کردیا اور صحابہ کو رفع یدین سے منع فرمایا تو احناف نے آپ کے آخری عمل کو لے لیا۔
اسی طرح صحابہ کرام شروع میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے رہے لیکن جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تو قراءت خلف الامام سے روک دیا گیا ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔سورۃ الاعراف آیت نمبر (۲۰۴) پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر (۱۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری عمل سے بتادیا کہ امام کی قراءت مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

الحمدللہ مسئلہ بالکل واضح ہوگیا اب جس کا جی چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کی اقتداء کر کے سنت پر عمل کرے یا منسوخ حدیثوں پر عمل کر کے لوگوں سے بحث مباحثہ اور مناظرے کرتا رہے اور لوگوں کی نمازوں کو باطل کہتا رہے۔

## مقتدی جیسے تسمیع یعنی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہہ سکتا اسی طرح مقتدی سورہ فاتحہ بھی نہیں پڑھ سکتا

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إِذَا قَالَ الإِمَامُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب امام ﴿سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَه﴾ کہے تو تم کہو ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد﴾ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہوگیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، (بخاری حدیث:۷۹۶ کتاب الاذان مسلم حدیث ۹۰۴ مشکوۃ حدیث ۸۲۵ کتاب الصلاۃ باب القراءۃ فی الصلاۃ)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَه کہنا امام کا کام ہے اور ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد﴾ کہنا مقتدی کا کام ہے یا امام تسمیع اور تحمید دونوں ہی کہہ سکتا ہے لیکن مقتدی کا تسمیع پڑھنا خلافِ سنت ہوگا۔ اسی طرح سورہ فاتحہ تو صرف امام پڑھے گا لیکن آمین امام اور مقتدی دونوں کہیں گے اگر مقتدی بھی فاتحہ پڑھنا شروع کردے تو یہ خلافِ سنت ہوگا اور خلافِ سنت کام کو بدعت کہتے ہیں۔ اس کی تائید آنے والی حدیث سے ہو رہی ہے جس میں حضور ﷺ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ امام سورہ فاتحہ پڑھے گا اور تم آمین کہو گے۔

## سورہ فاتحہ پڑھنا صرف امام کا کام ہے

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم: إِذَا قَالَ الإِمَامُ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہوگیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری حدیث:۷۸۲ کتاب الاذان مسلم حدیث ۸۰۷ مشکوۃ حدیث ۸۲۵ کتاب الصلاۃ باب القراءۃ فی الصلاۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے اس لئے فرمایا گیا جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْب......﴾ پڑھے اگر مقتدی نے فاتحہ پڑھنا ہوتی تو فرماتے جب تم ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْب......﴾ پڑھا کرو تو اس پر آمین کہا کرو حدیث نے صاف بتادیا کہ سورہ فاتحہ پڑھنا امام کا کام ہے مقتدی کا نہیں۔ جیسے سمع اللہ الحمدہ کہنا امام کا کام ہے اور ربنا لک الحمد کہنا مقتدی کا۔

## رسول اللہ ﷺ نے نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا
## اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا

عن ابی موسی الأشعری رضی الله عنه قال :إِنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلاتَنَا فَقَالَ : إِذَا

صَلَّيْتُمْ فَأَقِيْمُوا صُفُوْفَكُمْ ثُمَّ لِيُؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا وإِذَا قَالَ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ يُجِبْكُمُ اللهُ فَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا فَإِنَّ الإِمامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم فَتِلْكَ بِتِلْكَ ، وإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللهُ لَكُمْ، فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وإِذَا كَبَّرَ وَسَجَدَ فَكَبِّرُوْا وَاسْجُدُوْا فَإِنَّ الإِمامَ يَسْجُدُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم فَتِلْكَ بِتِلْكَ ۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ہم کو نماز کا مکمل طریقہ بتلا دیا آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھنے لگو تو سب سے پہلے اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے کوئی شخص امامت کرائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِیْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اس دعا کو قبول فرمائے گا پھر جب امام تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، امام تم سے پہلے رکوع کرے گا اور تم سے پہلے رکوع سے سر اٹھائے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس طرح تمہارا عمل اس کے مقابلے ہو جائے گا، اور جب امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد کہو اللہ تعالیٰ تمہارا قول سنتا ہے اور تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ جاری کر دیا، پھر جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو، امام تم سے پہلے سجدہ کرے گا اور تم سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس طرح تمہارا عمل اس کے مقابلے ہو جائے گا۔ (مسلم حدیث ۴۰۴ کتاب الصلاۃ باب التشہد فی الصلاۃ۔ ابن ماجہ حدیث 846: مشکوۃ حدیث ۸۲۶-۸۲۷ کتاب الصلاۃ باب القراءۃ فی الصلاۃ)

اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اسی مسلم شریف میں ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابوبکر نے امام مسلم سے بحث کی۔ تو امام مسلم نے فرمایا: تُرِیْدُ اَحْفَظَ مِنْ سُلَیْمَانَ؟ سلیمان (اس سند کے راوی) سے سے زیادہ تمہیں اور کون حافظ ملے گا، ابوبکر نے پوچھا پھر ابو ہریرہ کی روایت کیسی ہے جس میں یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو تو امام مسلم نے فرمایا ھو عندِیْ صَحِیْحٌ وہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں اس حدیث کو امام مسلم امام احمد اور امام اسحاق نے صحیح قرار دیا ہے لہذا اس پر کسی طرح کا کلام اثر انداز نہیں ہوتا۔ (رسائل دینیہ سلفیہ ص ۵۴)

صحیح مسلم کی یہ حدیث فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے اس حدیث کی اس قدر وضاحت کے بعد بحث مباحثہ اور جھگڑا کرنا فضول اور امت میں افتراق پیدا کرنا ہے۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے با جماعت نماز کے دوران امام اور مقتدی کی ذمہ داریوں کا تعین فرمادیا ہے بعض میں تو امام اور مقتدی دونوں شریک ہیں اور بعض میں شریک نہیں۔ لہذا حکم نبوی ﷺ کے مطابق امام اور مقتدی کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کرنی چاہئے اور خواہ مخواہ بحث اور مناظرہ میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے

☆...... امام اور مقتدی کے کاموں کا تعین کر دیا گیا ہے اور جہاں دونوں میں کچھ فرق ہے اس کی وضاحت فرمادی مثلاً جب امام تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔

☆......امام اور مقتدی کے متفرق کاموں کی وضاحت یوں کی کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سورہ فاتحہ ختم کر کے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو، اور جب امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔

اس حدیث مبارک کے الفاظ اور اسلوب میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ با جماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے چونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے ,,جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو،، یہاں امام کو ایک طرف پڑھنے والا قرار دیا ہے اور دوسری طرف مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے لہذا مقتدی نہ تو سورہ فاتحہ پڑھے نہ ہی کوئی اور سورۃ پڑھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو یہاں بھی امام ہی پڑھنے والا قرار دیا ہے۔ الغرض حضور ﷺ کا حکم تو یہی ہے کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو اہل سنت والجماعت اسی پر عمل کرتے ہیں، لیکن اس کے مقابلہ میں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب امام پڑھے تم بھی پڑھو۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ حق کس طرف ہے اور کس کی بات ماننی چاہئے؟

## امام کی پیروی کا مطلب ہے کہ اس کی قرأت کے وقت مقتدی خاموشی اختیار کی جائے

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم (( إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا ، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ (نسائی حدیث (۹۲۰) کتاب الافتتاح ،ابوداود حدیث (۶۰۴) ابن ماجہ حدیث ۸۴۶ مسلم حدیث (۴۰۴) کتاب الصلاۃ باب التشہد فی الصلاۃ) وابوعوانہ والرویانی فی ((مسندہ)) (۱/۱۱۹/۲۴) ابن ابی شیبہ (۱/۹۷) مسند احمد رقم الحدیث ۹۱۵۱)

اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے ابوداود کی تحقیق میں صحیح قرار دیا ہے امام نسائی نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے باب تأويل قول الله عزوجل ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

جس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آیت جماعت کی نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ۔

اگر امام کی اقتداء میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوتی ۔ تو رسول اللہ ﷺ فرماتے إِذَا قَرَأَ الإمامُ فاقروء سورة الفاتحة جب امام قراءت کرے تو تم سورہ فاتحہ پڑھو لیکن ذخیرۂ حدیث میں ایسا حکم کوئی نہیں دکھا سکتا بلکہ عموماً یہ حکم نظر آئے گا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے بالکل قرآن نہ پڑھا جائے نہ فاتحہ نہ دوسری سورت خواہ امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو یا زور سے خواہ تم تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو یا نہ۔

امام کے پیچھے نہ سورہ فاتحہ کی قراءت جائز ہے
نہ کوئی دوسری سورۃ چاہے نماز سرّی ہو یا جہری

☆☆☆

# حسن کا رنگ و بو عشق کی آبرو

(مرتبہ سعید محمد عامر آسوی حسینی نقشبندی)

﴾اس تحریر کا انتخاب امام محمد بن جعفر الکتانی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۵ھ) کی کتاب مستطاب "الیمن والاسعاد بمولد خیر العباد" سے لیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ ("میلاد شریف کے فیوض و برکات" از علامہ شہزاد مجددی) کے نام سے شائع ہوا کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یہ تحریر نذر قارئین ہے﴿

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر سرکارِ دوعالم ﷺ کی محبت شرعاً لازم نہ ہوتی، پھر بھی آپ ﷺ کے حسن و کمال سے واقفیت رکھنے والا ہر عاقل آپ ﷺ سے ذوقاً وطبعاً محبت کرتا اور اسے آپ کے فضل و شرف سے انحراف کا کوئی اندیشہ بھی لاحق نہ ہوتا۔ بشمول اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کے لازم کردہ امور میں سے لابدی اور اظہار کئے جانے والے امور میں سے اولین حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ یہ کسی بھی انسان کے ایمان کی صحت و کاملیت کے لئے (بنیادی) شرط ہے۔ اور یہ محبت آگ سے بچانے والی اور آزاد کروانے والی ہے اور یہ محبت (مصطفوی) ایمان کی لذت سے آشنائی عطا کر کے رحمٰن کی رضا بھی دلواتی ہے۔ اور یہ وہ قطب (بنیاد) ہے جس پر دین کے ہر اہم معاملے کا دارومدار ہے اور یہ وہ عظیم مرتبہ ہے جس کے حصول کی تمنا کی جاتی ہے۔

اس محبت نبوی ﷺ کا کمال ہر کمال کے حصول کے لئے شرط ہے اور یہ سوائے عظیم المرتبت شخص اور کاملین امت کے، اوروں کو عطا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کمال ایمان کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں اور یہ مراتب و مدارج ان کی نبی عدنان ﷺ کی ذات سے کامل محبت کے معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔

لہٰذا جو کوئی ان میں سے رسالت مآب ﷺ کی ذات سے جتنی شدید محبت رکھتا ہے اتنا ہی وہ ایمان و عرفان اور یقین میں مضبوط، کامل اور پختہ ہوتا ہے۔

(۱)...... امام بخاری و مسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

**لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین.**

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے والدین اور اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔

(۲)...... امام بخاری حضرت عبداللہ بن ہشام ◆ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

**لن یومن احد کم حتی اکون احب الیه من نفسه.**

ترجمہ: تم میں سے کوئی ہرگز مومن نہیں ہوسکتا جب تم میں اسے اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

(۳)...... امام مسلم حضرت انس □ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

**لا یومن الرجل حتی اکون احب الیه من اهله و ماله.**

ترجمہ: آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے اہل وعیال اور مال سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(۴)...... امام طبرانی "معجم کبیر" اور امام بیہقی "شعب الایمان" میں اور ان کے علاوہ دیگر محدثین روایت کرتے ہیں:

**عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ واسمہ بلال او بلیل الانصاری مرفوعاً ،لایومن عبد حتیٰ اکون احب الیہ من نفسہ و اھلی احب الیہ من اھلہ و عترتی احب علیہ من عترتہ و ذاتی احب الیہ من ذاتہ.**

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ ◆ سے مرفوعاً مروی ہے (ان کا نام بلال یا بلیل انصاری ہے) بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوجاؤں اور میرے اہل وعیال اسے اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب نہ ہوجائیں اور میری آل اسے اپنی اولاد سے زیادہ عزیز نہ ہوجائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجائے۔

(۵)...... امام ابونعیم اصفہانی کی ''حلیۃ الاولیاء'' میں ہے:

**ان رجلاً لابن عمر یا با عبد الرحمٰن وددت انی رایت رسول اللہ ﷺ ،فقال لہ ابن عمر کنت تصنع ماذا ؟ فقال : کنت و اللہ او من بہ و اقبلہ بیں عینیہ، فقال ابن عمر : الا ابشرک ؟ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ما اخلط حبی یغلب احد فاحبنی، الا حرم اللہ جسد ہ علی النار.**

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر • سے کہا، اے ابوعبدالرحمٰن! میری تمنا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتا۔ حضرت ابن عمر • نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو تم کیا کرتے؟ تو اس شخص نے جواب دیا، خدا کی قسم میں ان پر ایمان لاتا اور ان کی جبین اقدس پر بوسہ دیتا، تو حضرت ابن عمر ◆ نے فرمایا کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا میری محبت جس شخص کے دل میں سما گئی اور پھر اس نے مجھے محبوب جانا، تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام کردیتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سے پوچھا گیا آپ لوگوں کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کیسی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا

**کان واللہ احب الینا من اموالنا وآبائنا و امھاتنا ومن الماء البارد علی الظماً**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ہمیں ہمارے مال اسباب، آباء واجداد اور ہماری ماؤں اور سخت پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

(۶)...... صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص ◆ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

**ما کان احد احب الی من النبی ﷺ ولا اجل فی عینی منہ وما کنت اطیق ان املاء عینی منہ اجلا لا لہ ، ولو قیل لی صفہ ما استطعت ان اصفہ.**

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہ تھا اور نہ ہی میری آنکھوں میں ان سے بڑھ کر کوئی معزز تھا۔ آپ کے کمال احترام کے پیش نظر میں نے کبھی آپ کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ اب اگر مجھ سے کہا جائے کہ آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرو تو میں آپ کا سراپا بیان نہیں کرسکوں گا۔

آنحضرت ﷺ کی محبت کی کچھ علامات اور نشانیاں ہیں اور کچھ اس کے شواہد و دلائل ہیں:

ان میں سے سرفہرست یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ کی پیروی کی جائے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ پر اس کے احکامات اور امر ونواہی اور حرام وحلال کے مطابق عمل کیا جائے اور ان علامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قرابت داروں اور اہل بیت اطہار سے کامل وابستگی رکھتے ہوئے دلی محبت کی جائے اور ان کے دامان اقدس کی حفاظت وخدمت کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔

(۷)...... امام دیلمی نے حضرت امام حسین ابن علی • کی مرفوع روایت نقل کی ہے:

امام عالی مقام فرماتے ہیں:

**من اراد التوسل الی و ان تکون عندی ید اشفع له بها یوم القیامة ،فلیصل اهل بیتی ولیدخل السرور علیهم.**

ترجمہ: جس شخص نے میرا دامن تھام کر میری طرف توسل کا ارادہ کیا، تو میں روز قیامت اس کی شفاعت کروں گا، اسے چاہئے کہ میرے اہل بیت سے وابستہ رہے اور انہیں خوش رکھے۔

(۸)...... امام طبرانی ''معجم الاوسط'' میں ان کے بھائی حضرت امام حسن بن علی ◆ کی مرفوع روایت لائے ہیں۔

**الزموا مودتنا اهل البیت ، فانه من لقی الله وهو یود نا دخل الجنة بشفاعتناو الذی نفسی بیده لا ینفع عبدًا عمله الاحقنا**

ترجمہ: امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم اہل بیت رسول ﷺ کی محبت کو لازمی اختیار کرو، بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری محبت لے کر حاضر ہوگا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں داخل ہوگا۔ اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ہمارا حق پہچانے بغیر بندے کا عمل اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔

(۹)...... ابو شیخ، حضرت علی سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں

**والذی نفسی بیده لایومن عبد حتیٰ یحبنی ولا یحبنی حتیٰ یحب ذریتی.**

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک مجھ سے محبت نہ کرے اور میرا محبّ نہیں بن سکتا جب تک میری اولاد سے محبت نہ رکھے۔

(۱۰)...... قاضی عیاض اپنی کتاب ''غنیۃ'' میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

**معرفة آل محمد براة من النار، وحب آل محمد جواز علی الصراط ، والولایة لال محمد امان من العذاب**

ترجمہ: آل محمد (ﷺ) کی معرفت جہنم سے نجات ہے اور آل رسول کی محبت پل (صراط) سے گزرنے کی سند ہے اور آل رسول ﷺ سے عقیدت عذاب سے (دینے والی) ہے۔

(۱۱)...... امام طبرانی اور رافعی، حضرت عبداللہ بن عباس ◆ کی مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

**من سره ان یحیی حیاتی و یموت مماتی یسکن جنة عدن غرسهاربی فلیوال علیا من بعدی والیوال ولیه ولیقتد باهل بیتی من بعدی فانهم عترتی خلقوا من طینتی، ورزرقوا فهمی ، فویل للمکذبین بفضلهم من امتی ، القاطعین فیهم صلتی،لاانا لهم الله شفاعتی**

ترجمہ: جس کی تمنا ہو کہ وہ میری حیات (کے مطابق) زندہ رہے اور میری موت (کے مطابق) مرے اور مرے رب کے لگائے ہوئے جنت کے باغ عدن میں مقیم ہو، تو وہ میرے بعد علی سے محبت رکھے اور اس کے جانشین سے محبت رکھے اور میرے بعد میرے اہل بیت کی اقتدا کرے، کیونکہ یہ سب میری اولاد ہیں اور میرے خمیر سے پیدا کئے گئے ہیں اور میرے فہم (علم) سے نوازے گئے ہیں۔ ہلاکت ہے میری امت کے ان لوگوں کیلئے جو ان فضل وشرف کو جھٹلائیں اور میرے ان سے تعلق کو قطع کرنے کی کوشش کیلئے کریں۔ اللہ ان کو میری شفاعت سے نہیں نوازے گا۔

محبت حبیب اکرب ﷺ کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر خیر بکثرت کیا جائے اور آپ ﷺ کے عظیم محاسن ومناقب اور جلیل القدر اوصاف حمیدہ کا تذکرہ عام کیا جائے۔

اور آپ کے اوصاف وتبرکات اور متعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لطف اٹھایا جائے اور ذکر نبوی کے فروغ پر اظہار فرحت ومسرت شادمانی

کی کیفیات کا اعادہ کیا جائے۔ علامات محبت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ پر درود وسلام کی کثرت کی جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بارگاہ رسالت سے والہانہ عشق کے ساتھ نبھایا جائے اور درود وسلام سے متعلق فوائد عظیمہ اور ظاہری اجر وثوب سے بھی اضافی طور پر بہرہ یاب ہوا جائے۔

(۱۲)...... ابن وداعۃ، حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں:

**اکثر وامن الصلوٰۃ علی فانھانورفی القبرونور علیٰ الصراط ونورفی الجنۃ**

ترجمہ: مجھ پر کثرت سے درود بھیجو! بے شک یہ قبر، پل صراط اور جنت کا نور ہے۔

(۱۳)......حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

**الصلوٰۃ علی النبی ﷺ امحق للذنوب من الماء البار دللنار والسلام علیہ افضل من عتق**

ترجمہ: نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا گناہوں کو ایسے مٹاتا ہے کہ ٹھنڈا پانی بھی آگ کو اتنی تیزی سے نہیں بجھاتا اور آپ پر درود پڑھنا غلام آزاد کرنے سے افضل ہے۔

حضرت امام عزفی، شیخ بزرگ ابوالصبر ایوب عبداللہ الفھری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سند سے حضرت خضر والیاس ؑ کی روایت نبی کریم ﷺ سے بیان کی: آپ نے فرمایا:

**ان الصلوٰۃ تنضر القلب و تنورہ و تطھرہ من النفاق، کما یطھر الشی بالماء وان من قال: اللھم صل علیٰ محمد فقد فتح علی نفسہ سبعین بابا من الرحمۃ، وان من صلی علیہ سبع مرات احبہ اللہ تعالیٰ**

ترجمہ: بے شک درود شریف دل کو تر وتازہ رکھتا ہے اور دل کو منافقت سے اس طرح پاک اور روشن کر دیتا ہے جسے کوئی چیز پانی سے دھل کر صاف ہو جاتی ہے۔ بیشک جس شخص نے "اللھم صل علیٰ محمد" کہا، اس نے اپنی ذات پر رحمت کے ستر دروازے کھول دیئے اور جس نے سات بار درود شریف پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے۔

حضرت ؓ پر درود پڑھنے کے بارے میں روایت میں آیا ہے:

کہ درود غم مٹاتا ہے۔ پریشانیوں کو دور کرتا ہے اور بلاؤں کو ٹالتا ہے اور حاجات کو پورا کرتا ہے اور رزق کو بڑھاتا ہے اور درود پڑھنے والے کو بارگاہ الہیہ سے ایک خاص قسم کی کشش عطا ہوتی ہے۔ درود سے درجات بلند ہوتے ہیں اور نیکیاں بڑھ جاتی ہیں، گناہ اور خطائیں مٹ جاتی ہیں اور رب کائنات کا قرب زیادہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کے فوائد وثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ کثرت سے درود بھیجنے والے کو حضور ﷺ کی زیارت وملاقات کا شرف خواب اور بیداری میں حاصل ہونے لگتا ہے اور درود پڑھنے والا قرب رسالت ؐ کے اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے کہ حسب خواہش آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہونے لگتا ہے اور آپ ﷺ سے جو چاہتا ہے پوچھتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔

درود شریف ایک ایسے طالب صادق کیلئے جسے راہِ خدا کا رہبر ومرشد ظاہری طور پر میسر نہ ہو سلوک الی اللہ کی سیڑھی اور زینے کا کام دیتا ہے اور درود شریف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رب تعالیٰ کی عنایات قدسیہ کے نزول وورود کا بہترین سبب اور ذریعہ ہے۔

درود شریف اپنے شاغل وعامل اور کثرت رکھنے والے کو مستغنی کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا مزاج درود کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور کھانا پینا وغیرہ اسے درود پڑھنے میں مانع نہیں ہوتا وہ دنیا کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے زیادہ درود شریف میں لذت ولطف پاتا ہے۔ درود شریف کے فوائد وبرکات لاتعداد وبے شمار ہیں اور یہ اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ اور شمار ممکن نہیں ہے۔

☆......☆......☆

# حضور نقش لاثانی النورانی قدس سرہ کا انداز تربیت

پروفیسر محمد حسین آسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس عنوان سے تعلق رکھنے والی بہت سی باتیں 'ادب آموزی' اور 'امر بالمعروف' کے ضمن میں آچکی ہیں مگر وہ تو ظاہر کی اصلاح تھی۔ اب خصوصیت سے ایسے امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے یہ ظاہر ہو کہ ایک ماہر و مخلص روحانی طبیب کی حیثیت سے آپ دل کی بیماریوں کا علاج اور باطن کا تزکیہ کیسے فرماتے تھے۔ حق یہ ہے کہ علاج کرنے والا مخلص و ماہر نہ ہو تو حالات مزید بگڑ جاتے ہیں اور کبھی ہلاکت تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ نیم حکیم خطرۂ جان کا یہی مطلب ہے۔ رہ گیا نیم ملا خطرۂ ایمان تو اس میں کم علم مولوی اور کم نظر پیر دونوں آجاتے ہیں۔ طریقت کا اصل مقصود ہے۔ معرفت خداوندی اور وہ حضور ہادی کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کی اتباع واطاعت کئے بغیر ناممکن ہے اور اس اتباع واطاعت میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہے، وہ نفس ہے اور خواہشات نفسانی کا دباؤ۔ پیر کی غلامی کا فائدہ کیا ہے؟ نفس کو دبانا اور نفسانی خواہشات کا قلع قمع۔ مولائے روم رحمہ القیوم فرماتے ہیں۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر
دامن آں نفس کش محکم بگیر

یعنی پیر کامل کے سائے کے سوا کوئی چیز بھی نفس کو نہیں مار سکتی، اس لئے (اے راہ حق کے طالب!) اس نفس کو مارنے والے کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔ اب اگر پیر خود ہی نفس کا کھلونا بنا ہوا ہو اور نفسانیت کے گڑھے میں گرا ہوا ہو تو دوسرے کے نفس کا علاج کیا کرے گا اور اسے نفسانیت سے کیونکر نکال سکے گا۔ مذہب وملت کے موجودہ زوال میں اس قسم کے علما و مشائخ کی برکات و فتوحات کا بڑا دخل ہے۔ نفس و نفسانیت کے مریض قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں اور ان کے کردار میں ضمیر فروشی، ریا و تصنع اور غرور و تکبر کے سوا کچھ نہیں۔ آوارہ منش، زر پرست اور ابن الوقت قسم کے مریدوں کی ایک تعداد تو ضرور ان کا طواف کرتی ہے مگر منزل عرفان کے سچے مسافر حرص و ہوس کے ان بدبودار مجسموں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ہاں کبھی کبھی یہ حادثہ بھی ہو جاتا ہے کہ کچھ لوگ ان جیسے علم و عرفان کا لبادہ اوڑھنے والوں کو قریب سے دیکھ لیتے ہیں تو انھیں سے نہیں معاذ اللہ مذہب سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس میں مذہب کا کیا قصور؟ اگر کوئی چور خود کو مجسٹریٹ یا ایس پی ظاہر کرے تو اس میں کسی سچے مجسٹریٹ یا فرض شناس ایس پی پر کیا الزام۔ یہ تو چور کی مکاری تھی یا اپنی سادہ لوحی جس سے ہمیں غلط فہمی ہوئی۔ یونہی بدعمل اور وعظ فروش خطبا کے کردار سے علماء حق کی بے داغ سیرت کا اندازہ لگانا اور پیر کے لباس میں آنے والے بہروپیوں پر مردان حق کو قیاس کرنا بھی انصاف و دیانت کا خون کرنے

کے مترادف ہے۔اندھیری رات کونور بکھیرنے والی صبح سے کیا نسبت اور اللہ والوں سے دنیاوالوں کا موازنہ کیا پھر اصلی اور نقلی علماومشائخ کی دوقسمیں دور حاضر کی پیداوار نہیں، ہر دور میں یہ تفریق موجود رہی اور اہل حق ان حق دشمنوں کا رونا روتے رہے جیسا کہ کشف المحجوب اور تصوف کی دوسری معتبر کتابیں اس پر شاہد ہیں۔

الحمدللہ! اس دور میں بھی، جب کتنے ہی جبے اور عمامے نیلام ہورہے ہیں کتنے ہی قلب وضمیر کا سر بازار سودا ہورہا ہے اور کتنے ہی چہروں پر مصنوعی نقاب پڑے ہوئے ہیں۔علماء حق بھی موجود ہیں اور درویشان خدامست بھی کوئی خلوص نیت سے رہبری کا طالب ہوتو اس کے سامان موجود ہیں اور کوئی صمیم قلب سے نفس کی ظلمات کا علاج چاہے تو آج بھی قابل اعتماد طبیب مل جاتے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ حق پرست علماومشائخ جنھیں بجا طور پر ملت کا قافلہ سالار کہا جاسکتا ہے، ایک ایک کرکے بزم جہاں سے رخصت ہورہے ہیں۔چورہ شریف کے مشائخ عظام میں حضرت پیر حیدر شاہ صاحب، حضرت پیر نور بادشاہ صاحب، حضرت پیر محمد شفیع صاحب، حضرت پیر محمد معصوم صاحب، سیال شریف کے حضرت خواجہ قمرالدین صاحب، گولڑہ شریف کے حضرت غلام محی الدین صاحب عرف بابوجی سرکار شرقپور شریف کے حضرت میاں غلام اللہ صاحب ثانی پھر علماومحدثین میں محدث اعظم مولنا محمد سردار احمد صاحب فیصل آبادی، مفتی اعظم حضرت علامہ سید ابوالبرکات صاحب، غزالیٔ دوراں حضرت مولنا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ کیا لوگ تھے جن کی عظمت دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی اور جو دیکھتے ہی دیکھتے مشتاق نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں

اب جن کے دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں

اور پھر ہمارے مربی، محسن اور مخدوم ومطلوب حضور نقش لاثانی قدس سرہ اسی زمرۂ لابحرنون کے فرد فرید تھے اور قلب وضمیر کے بے مثل معالج جوان سب کے بعد راہی ملک بقا ہوئے (انا اللہ وانا الیہ راجعون) آپ نے آغازِ شباب میں مسند مشیخت کو زینت بخشی اور اسی دور سے اپنے عظیم مرشد ومورث حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرھما کی ہدایات وروایات کے مطابق فکرونظر میں اجالے بھرنے شروع کردیئے اور ایک حاذق طبیب روحانی کی طرح قلب وروح کی بیماریوں کے علاج کا آغاز کردیا حقیقت یہی ہے کہ آپ نے جس کو جس بیماری میں مبتلا دیکھا، اس کی شفایابی کا بندوبست کیا۔تفصیل میں جانے سے پہلے دیکھ لیں کہ دل کی بیماریاں کیا ہیں اور کیونکر پیدا ہوتی ہیں۔

## دل کی بیماریاں:

اس ضمن میں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولنا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ القوی جو اپنے دور کے نامور صوفی بھی تھے، کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے آپ فتاویٰ افریقہ میں ان کی گنتی یوں فرماتے ہیں۔

۱۔ریا ۲۔عجب ۳۔حسد ۴۔کینہ ۵۔تکبر ۶۔حب مدح ۷۔حب جاہ ۸۔محبت دنیا ۹۔طلب شہرت ۱۰۔تعظیم ۱۱۔تحقیر مساکین ۱۲۔اتباع شہوات مداہنیت ۱۴۔کفران نعم ۱۵۔حرص ۱۶۔بخل ۱۷۔طول امل ۱۸۔ سوئے ظن ۱۹۔عناد حق ۲۰۔اضرار باطل ۲۱۔مکر ۲۲۔عذر ۲۳۔خیانت ۲۴۔غفلت ۲۵۔قسوت ۲۶۔طمع ۲۷۔تلق ۲۸۔اعتمادِ خلق ۲۹۔نسیان خالق ۳۰۔نسیان موت ۳۱۔جرات علی اللہ ۳۲۔نفاق ۳۳۔اتباع شیطان ۳۴۔بندگی نفس ۳۵۔رغبت بطالت ۳۶۔کراہت عمل ۳۷۔قلت خشیت ۳۸۔جزع ۳۹۔عدم خشوع ۴۰۔غضب النفس وتساہل فی اللہ وغیرہ

اور یہ بیماریاں کیسے پیدا ہوتی ہیں۔حضرت امام غزالی قدس سرہ العالی کی وضاحت سنئے۔آپ اپنی شہرۂ آفاق کتاب (جو دراصل صوفیہ کا نصاب ہے یعنی) کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہے معدہ بدن کا حوض ہے اور تمام رگیں جو اس معدے سے باقی بدن میں پہنچی ہیں نہروں کی طرح ہیں۔تمام شہوتوں کا سر چشمہ معدہ ہے۔۔۔۔۔۔۔شہوت شکم دوسری شہوتوں اور خواہشوں کی جڑ ہے چنانچہ شکم سیر ہوتا ہے تو نکاح کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔شکم اور فرج

کی شہوت مال کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی پس اس کی وجہ سے مال کی حرص پیدا ہوئی اور پھر مال بغیر جاہ کے پیدا نہیں ہوتا۔ پس جب تک مخلوق سے خصومت نہ رکھی جائے، جاہ کا حصول ممکن نہیں، پھر اسی سے حسد، تعصب، عداوت کبر ریا، کینہ پیدا ہوتا ہے پس معدہ کو مطلق العنان چھوڑ دینا ساری مصیبتوں کی اصل ہے اور اس کو روکنا اور بھوک کی عادت ڈالنا سب نیکیوں کی اصل ہے۔

حضور نقش لاثانی قدس سرہ ایک ماہر وحاذق طبیب روحانی کی حیثیت سے اس حقیقت کو پوری طرح سمجھتے تھے چنانچہ ہمیشہ آپ نے اسے پیش نظر رکھا اور زیر تربیت غلاموں کو بھی اس پر کاربند رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔ جہاں تک حضور کے اپنے عمل کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ عمر بھر کبھی آپ نے سیر ہو کر نہیں کھایا اور خدام بارگاہ اس پر شاہد ہیں کہ کبھی آپ کو ہلکی سی ڈکار بھی نہیں آئی۔ یہی حال آپ کے پانی پینے کا تھا۔ سیالکوٹ کے نامور (شاعر وادیب) ڈاکٹر جناب ڈاکٹر قمر تابش صاحب مرحوم نے اپنے تیار کردہ مشہور چورن ابو ہاضم کا ایک پیکٹ خدمت اقدس میں اس عاجز کے ہاتھ بھیجا تو مسکرا کر فرمایا، مجھے کبھی ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ پھر اسے کھولا اور بکمال شفقت اس کی پڑیاں حاضرین مجلس میں تقسیم فرمادیں۔

لسی بہت پسند تھی یا گرمیوں میں رات کو مٹی کے گھڑے میں رکھا ہوا ٹھنڈا پانی بڑی رغبت سے نوش فرماتے تھے مگر دو چار گھونٹ، زیادہ نہیں۔ روزہ افطار کرتے وقت ایک چھوٹے سے گلاس پر اکتفا کی جاتی (اور اس کے بعد فوراً مسجد میں تشریف لے آتے) جن دنوں دربار شہنشاہ لاثانی کی چار دیواری تعمیر ہو رہی تھی۔ مجھے بھی اکثر حاضر خدمت رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک دن مجھے خدمت اقدس میں لسی پیش کرنے کا حکم ہوا۔ تعمیل ارشاد میں کسی وجہ سے کچھ سستی ہوگئی تو کچھ وقفے کے بعد دوسری بار فرمایا۔ میں بھاگم بھاگ گیا اور دربار عالی کے خصوصی خادم کو لسی تیار کرنے کا پیغام دیا۔ اُس نے تقریباً پونا گلاس لسی سے بھر کر میرے حوالے کیا۔ ڈھکنا جو اُٹھایا تو پورا نہیں تھا میں نے حیرت سے کہا، حضور کافی پیاس محسوس فرمارہے تھے اور آپ نے ایک گلاس بھی نہیں بھرا بولے آپ اتنا نوش فرمالیں تو بڑی بات ہے ورنہ عموماً آدھ گلاس ہی کافی رہتا ہے۔ کم کھانا اور کم پینا جو عاشقانِ صادق کی اہم علامت ہے، حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی طبیعت کا جزو بن گیا تھا اور بات یہیں تک نہیں آپ نے اپنے غلاموں کو بھی اس کی مشق کرادی تھی چنانچہ اپنے حاضر باش درویشوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر دن میں بار بار کھانا پڑ جائے تو کھا لیتے ہیں اور اگر دو دن بھوکا بھی رہنا پڑے تو رہ لیتے ہیں (کھانا میزبانوں کی دلجوئی کے لئے اور نہ کھانا مجاہدے کے طور پر) اور کرامات کی کتابوں میں ان دونوں باتوں کو کرامت ٹھہرایا گیا ہے) تصرف باطنی کے علاوہ زبان مبارک سے بھی اس کی تلقین فرماتے رہتے تھے (کبھی بستان العارفین پڑھ کر مشائخ کرام کی نفس کشی کے واقعات سنا کر نیز اُن کی تشریح کر کے اور کبھی کسی کو کھانے میں بے احتیاطی کرتے دیکھتے تو جمالی وجلالی انداز میں سمجھاتے۔ اس قسم کی نصیحت یا سرزنش کا مخاطب عموماً یہ فقیر بھی ہوتا۔ چنانچہ ایک بار سرگودھا کے سفر میں فرمایا، کیا تجھے ایک روٹی صبح اور ایک (روٹی) شام کو کافی نہیں۔ (اسی سفر سے واپسی ہوئی تو اگلی ہی صبح ایک کمرے میں چائے رس رکھوا کر مجھے باہر سے بھیجتے ہوئے فرمایا، گھوڑیا، اپنے تھان تے آ گیا ایں، جو مرضی اے کھا شاید اس سے یہ وضاحت مقصود تھی کہ سفر میں خصوصاً کم کھانا صحت کے لئے اور بھی ضروری ہے اور جسے نماز میں امامت کرنا ہو اس کے لئے مزید لازم ومفید)

کھانے کے بعد ڈکار نے کو آپ سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ہمسفر درویش جنھیں اکثر ساتھ کھانے کا شرف حاصل ہوتا، بڑی احتیاط سے رہتے اگر کسی طرف سے ہلکی سی ڈکار کی آواز بھی آ جاتی تو آپ سخت نوٹس لیتے تھے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کیا حضور ہر ایک کے لئے ایک ہی مقدار ضروری سمجھتے تھے۔ نہیں ایسا نہیں۔ کمزور اور طاقتور کے لئے ایک ہی مقدار کیونکر مقرر کی جاسکتی ہے۔ جو زیادہ کام کرتا ہے، ظاہر ہے زیادہ ہضم کر سکتا ہے اور جو زیادہ ہضم کر سکتا ہے اس کے دوسرں سے زیادہ کھانے میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اتنا مت کھاؤ کہ معدے پر بوجھ بن جائے ورنہ دربار عالی میں کھانے کے دوران ایک سے زیادہ بار مزید روٹی یا سالن کے لئے پوچھا جاتا تھا اور کھیتوں میں کام کرنے والے حسب ضرورت کھاتے پیتے تھے۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ غرض یہ کہ جس کھانے سے بدن میں طاقت آئے وہ مفید اور جس سے بیماری پیدا ہو وہ مضر۔ مومن کا صحت مند ہونا بیمار ہونے سے اور قوی ہونا

کمزور ہونے سے بہتر ہے چنانچہ حدیث پاک میں۔

المومن القوی خیر و احب الی اللہ من المومن الضعیف (مسلم)

ترجمہ۔طاقت ور مومن کمزور مومن سے اچھا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

یہاں ایک اور نکتے کی وضاحت بھی کرنا ضروری ہے کھانا پینا جسمانی فعل ہے اور اس کا فائدہ یا نقصان بھی جسم تک محدود رہنا چاہئے اسے دل کی بیماریوں میں شامل کرنا بلکہ دل کی بیماریوں کی جڑ قرار دینا عجیب سا لگتا ہے اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اگر چہ کھانا پینا واقعی جسمانی فعل ہے مگر کھانے پینے کی نیت کا تعلق دل سے ہے۔یہی وجہ ہے کہ جن کے دل زندہ باشعور اور سلیم ہیں۔وہ حضور سرور کونین ﷺ کی صرف سنت سمجھ کر کھاتے پیتے ہیں اور وہ بھی سنت کے مطابق ہی اور جن لوگوں کے دل میں حضور پر نور ﷺ کی سچی محبت، اپنے انجام کی فکر، عقبیٰ میں کامیابی کی خواہش، دنیا کے ناپائیدار ہونے کا احساس اور ذکر وفکر کا سرور نہیں ہوتا، انسانی عظمت سے بے نیاز ہو کر محض حیوانی ونفسانی تقاضوں کے تحت کھاتے پیتے ہیں اس لئے ان کا جسم تو پھیلتا جاتا ہے البتہ دل سمٹتا اور کمزور ہوتا جاتا ہے، مولانا روم علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے۔

جانور فربہ شود از راہ نوش

آدمی فربہ شود از راہِ گوش

یعنی جانور کھاپی کر موٹا ہوتا ہے اور انسان کان سے نصیحت کی باتیں سن کر اور ان پر عمل کر کے موٹا ہوتا ہے (یعنی اپنی انسانیت اور روحانی نیت میں ترقی کرتا ہے)

چنانچہ زیادہ کھانے والے عموماً خدائے پاک کی خشیت، احساس کی لطافت اور قلب کی رقت سے محروم ہوتے ہیں۔لہٰذا زیادہ کھانا جسمانی فعل ہی سہی مگر زیادہ کھانے کی ہوس دل کی بڑی بڑی بیماریوں میں سے ہے بلکہ اکثر کی اصل ہے۔گویا جہاں تک جسمانی بیماریوں کا تعلق ہے وہ زیادہ کھانے سے پیدا ہوتی ہیں اور خود زیادہ کھانا گویا دل کی بیماری ہے۔

مختصر یہ کہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ دل کے طبیب حاذق تھے۔اس لئے کبھی زبان سے سرزنش کر کے اور کبھی محض توجہ سے بھی اس بیماری کا قلع قمع کر دیتے تھے۔آپ جب کسی کے اندر تصرف فرماتے تھے تو وہ دنیا میں رہ کر بھی گویا اس سے کٹ جاتا تھا اور جب تک یہ کرم شامل حال رہتا تھا وہ جلوت میں خلوت کے مزے لیتا تھا۔کھانے پینے کی ضرورت اسے عجیب سی محسوس ہوتی تھی۔کچھ ایسی حالت ہو جاتی تھی جیسی حضرت اقبال نے طارق بن زیاد ◆ کی دعا میں نظم فرمائی ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی!

ایک بار خود میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہوا تھا (مگر صرف دو تین دن کے لئے اور وہ بھی نہایت ابتدائی درجے کا) حضور نقش لاثانی قدس سرہ تھانہ چوہنگ کے علاقے میں تھے اور یہ فقیر بھی تعویذ نویسی کی خدمت پر مامور حاضری کی سعادت سے بہرہ یاب تھا۔دل میں ایک بات قدرتی طور پر بیٹھ گئی اور وہ یہ کہ انسان کو دنیا میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہونا چاہئے لہٰذا بھوک پیاس سے مجبور ہو کر کھانا پینا بھی اس کے شایان شان نہیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک یہ کیفیت رہی۔بھوک پیاس کے انداز بھی بدل گئے۔یہ کیفیت کیوں طاری ہوئی اور دو تین دن کے بعد کیوں ختم کی گئی، شاید مرشد کامل قدس سرہ کی برکت سے قدرت یہ راز سمجھانا چاہتی تھی کہ انسان لذت آشنائی سے سرشار ہو تو ہفتے اور مہینے بھی بغیر کھائے گذارہ کر سکتا ہے جیسا کہ بعض اولیائے کرام کے حالات زندگی اس پر گواہ ہیں۔

رہ گیا حضور خواجہ کونین ﷺ کا کھانا پینا تو وہ بھی محض سنتیں قائم کرنے کیلئے ہے اور انسانوں کو کھانے پینے کے طریقے سکھانے کے

لئے۔کبھی کبھی بھوک پیاس محسوس فرما کر شکم مقدس پر پتھر باندھنا بھی امت کو صبر و مساوات کے اعلیٰ اسباق از بر کرانے کے لئے تھا ورنہ واللہ حضور ﷺ کھانے پینے کے محتاج نہیں تھے جو خدا کی بخشی ہوئی طاقت سے مردوں کو زندگی اور پتھروں کو گویائی بخش سکتے تھے اور جن کا عشق انسان کے لئے سب سے بڑی سیرابی وقوت ہے وہ جان حیات اپنی زندگی کے لئے آب و نان کے کیوں کر محتاج ہوں۔الحق! جو ذات رحمۃ للعلمین ہے (ﷺ) اپنے رب کے سوا عالمین کا ہر فرد ان کی رحمت کا ضرور محتاج ہے۔نمونہ قائم کرنے کے لئے کھانا پینا اور ہے اور زندگی وصحت کے ئے رزق کا محتاج ہو کر کھانا اور ہے۔یقیناً اللہ کے حبیب لبیب ﷺ اللہ کے سوا کسی کے محتاج نہیں۔اسی لئے کئی کئی مہینے حضور اکرم ﷺ نے کچھ بھی تناول نہیں فرمایا اور اس کی وضاحت یوں فرمائی۔

ایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی و لیسضینی (بخاری، مسلم)

ترجمہ: تم میں مجھ جیسا کون ہے۔میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔

امام بوصیری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

**وکیف تدعو الی الدنیا ضرورۃ من۔لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم**

ترجمہ: اور کیونکر ضرورت اس ذات اقدس کو دنیا کی طرف مائل کر سکتی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو دنیا بھی نہ ہوتی۔

پھر وہ اولیاء عظام بھی جو اپنے نبی یکتا علیہ التحیۃ والثناء کے مظہر بن جائیں اپنی اپنی شانِ مظہریت کے مطابق اس دنیا سے اور دنیا کی ہر چیز سے بالاتر اور بے نیاز ہو جاتے ہیں۔وہ کھاتے ہیں تو ادائے سنت کے طور پر اور اپنے مقام بلند کو دوسروں سے چھپانے کے لئے ورنہ خدا کے قدسی ۔۔۔بندوں کی اصل خوراک ذکر و فکر ہی ہے نیز بقول مولائے روم اللہ والوں کے کھانے اور ہم گناہ گار انسانوں کے کھانے کا نتیجہ بھی الگ الگ ہے۔

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا

آں خورد گردد ہمہ نور خدا

یعنی نفس کے لئے کھانے والا کھاتا ہے تو خوراک اندر جا کر گویا پلیدی میں ملی اور پلیدی بن گئی اور خدا کی رضا کے لئے کھانے والے کے اندر نور خدا جلوہ گر ہے تو یہ خوراک بھی اسی نور خدا میں فنا ہو کر نور خدا بن جاتی ہے۔

اس حقیقت کے سب سے بڑے مصداق حضور رحمتِ عالم نور مجسم ﷺ ہیں۔اسی لئے دنیا میں کسی نے آپ کے بول و براز (مبارک) کو نہیں دیکھا۔سرکار مدنیﷺ فارغ ہوتے تو زمین (بول و براز مبارک کو) نگل جاتی اور وہاں سے خوشبو آتی۔کسی نے خون مبارک پی لیا تو اس پر دوزخ کی آگ بھی حرام ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے پیٹ کی بیماریوں سے محفوظ بھی ہو گیا۔

خیر کہنا یہ تھا کہ روحانی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اہم سبب ضرورت سے زیادہ کھانا ہے اور حضور قبلہ عالم سرکار نقش لاثانی قدس سرہ کی تربیت کا ایک نمایاں عنوان اس سے پرہیز کرانا تھا چنانچہ وہ خوش نصیب جنھیں آپ کی صحبت یا تربیت کا شرف ملا، اکثر و بیشتر اس سے محفوظ رہے۔

دیگر بیماریوں میں (کفر و شرک کے بعد) غالباً سب سے زیادہ خطرناک غرور و تکبر ہے۔اور اگر غور کیا جائے تو شاید یہی ام الامراض ہے۔اس سے حب جاہ و مال ہی نہیں بلکہ بغض وحسد و کینہ جیسی مہلک بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں بلکہ کبھی کبھی کفر و شرک کی بنیاد بھی یہی بنتی ہے۔اسی سے عزازیل ابلیس بنا اور اسی نے ابوالحکم (حکمتوں کے باپ) کو ابو جہل (جہالت کا باپ) بنایا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد

بزندانِ لعنت گرفتار کرد

قرآن پاک نے شیطان کے بارے میں دوٹوک فرمایا:

ابی و استکبر ق وکان من الکفرین (لبقرہ۔۳۴)

ترجمہ: منکر ہوااور غرور کیااور کافر ہو گیا( کنزالایمان )

## تکبر کا علاج:

سیدی حضور نقش لا ثانی قدس سرہ خود عجز وانکسار کا مجسمہ تھے اور غرور وتکبر سے پوری طرح سے پاک، آپ کی صحبت سے سرفراز ہونے والا بھی اپنے ظرف اور استعداد کے مطابق فیض اٹھاتا تھا اور بغیر حضور کے زبانی سمجھائے بھی اس مہلک مرض سے نجات پا لیتا تھا۔ سیرت حضور نقش لا ثانی، برکات وکرامت میں آپ نے دیکھا ہوگا، حضور کی بارگاہ میں بیٹھ کر بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے قلب وضمیر اپنے گناہوں پر کانپ رہے ہوں اور اس کا اثر آنکھوں کے ذریعے بھی ظاہر ہو جاتا تھا یعنی دل ہے کہ ہیبت زدہ ہے۔ آنکھیں ہیں کہ اشک برسا رہی ہیں، ضمیر ہے کہ ندامت سے لبریز ہے اور ذہن ودماغ ہیں کہ توبہ توبہ پکار رہے ہیں اور وہی بات جو حضرت مولائے روم قدس سرہ نے فرمائی ہے ایک حقیقت ثابتہ بن کر مشاہدے بلکہ تجربے میں آ جاتی تھی یعنی

یک زمانہ صحبت با اولیا

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء کرام کی تھوڑی سی صحبت بھی سوسال کی مخلصانہ عبادت سے (دل کی صفائی اور طہارت کے لئے ) بہتر ہے۔

ایسے لوگ جن کے دل ودماغ تکبر کی وجہ سے سیاہ ہو چکنے بعد حضور نقش لا ثانی قدس سرہ کی صحبت کے انوار سے فیضیاب ہوتے تو نمایاں تبدیلی آ جاتی تھی بشرطیکہ ان مین حصول فیض کی تھوڑی بہت استعداد ہوتی آپ اکثر باطن پر نظر رکھتے تھے اور جس کے دل میں عجز وانکسار ہوتا تھا اسے بہت نوازتے تھے۔ البتہ غرور وتکبر والوں کو یا تو اس نجاست سے پاک کر دیتے یا انھیں منہ نہیں لگاتے تھے۔ آئے فوراً پلٹا دیئے۔ مجھے یاد ہے، میں سیالکوٹ سے دربار شریف کے لئے روانہ ہوا تو ایک پروفیسر صاحب بھی ساتھ ہو گئے (میں ذاتی طور پر جانتا تھا ان صاحب کو اولیاء کرام سے یہی نہیں کہ عقیدت نہیں بلکہ کدورت بھی ہے ) حاضر خدمت ہوئے تو سب لوگ ایک فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضور نقش لا ثانی قدس سرہ ایک ایک کو باری باری بلوا کر آنے کا مقصد پوچھتے اور مناسب انداز میں حاجت روائی فرماتے۔ اب سائلوں کو بلانے پر مجھے متعین کیا گیا۔ پروفیسر صاحب کو بلایا تو حضور نے دیکھتے ہی آہستہ آہستہ لاحول پڑھنا شروع کر دیا، وہ قریب آئے تو ایک دو جملوں مین ان کو فارغ کر دیا (جہاں تک مجھے یاد ہے ایسی صورت حال میری موجودگی میں صرف ایک بار ہی رونما ہوئی ) ورنہ اکثر آپ کی بندہ نوازی کے مظاہر ہی نظر آتے اور دیکھنے والے بعض دفعہ آپ کی شفقت و رحمت دیکھ کر ہی سکون پا لیتے۔

غرور وتکبر کی آلائشیں لے کر جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا، عموماً جلالی انداز سے دوچار ہوتا۔ خوش بخت ہوتا تو سرزنش، کی برکت سے اسی وقت اس سے شفایاب ہو جاتا ورنہ حصول مقصد میں کچھ دیر بھی لگ جاتی۔ ایسے لوگ جن کی آنکھوں کو لوگوں نے کبھی نمناک نہیں دیکھا ہوگا، شہنشاہ ولایت کی بارگاہ میں بعض دفعہ وہ بھی سرفراز ہوتے اور دیر تک دھاڑیں مار کر روتے رہتے چنانچہ چوہدری انور عزیز صاحب جو اس وقت جونیجو مرحوم کی کابینہ میں شامل تھے حاضر دربار ہوئے تو ایک گھنٹہ بھر تک حضور کی قدم بوسی کے ساتھ ساتھ آہ ونالہ میں بھی مشغول رہے۔ (ان کی کیفیت مجھے ان کے محکمے کے پی۔ ایس نے بتائی اور یہ کہہ کر کہ ہم نے بڑے بڑے وزیروں کو بزرگوں کی خدمت حاضر ہوتے دیکھا مگر یہ انداز کہیں نظر نہیں آیا)

حضور غرور اور تکبر کا علاج کیونکر فرماتے اس سلسلے میں اپنی آپ بیتی کے چند نا قابل فراموش واقعات سناتا ہوں:

۱)......ایک بار قصبہ اگوکی میں مدرسہ محمد یہ لا ثانیہ انوار القرآن کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ حضور قبلہ عالم نقش لا ثانی قدس سرہ سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ایک کونے میں یہ فقیر بھی بیٹھا تھا۔ سامعین میں برادر طریقت چودھری اللہ رکھا اختر سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول اگوکی بھی نیچے فرش پر تھے۔ وہ

میرے پرانے ہم جماعت اور ازحد مخلص دوست ہیں۔انھوں نے کسی سلسلے میں مجھے اشارہ کیا۔میں نے بھی اشارے ہی میں جواب دیا۔مگر ناگواری اور خفگی کے آثار میرے چہرے پر دیکھ کر حضور نے مجھے سٹیج سے اتار دیا(گویا میری خفگی کو غرور وتکبر محمول کیا گیا اور یوں مجھے قرب سے محروم کر دیا گیا)

۲)......غالبًا فروری یا مارچ ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔حضور قبلہ عالم موضع بوعہ تحصیل شکرگڑھ میں مسجد شاہ لاثانی کی تعمیر و مرمت میں مصروف تھے۔جس روز کام ختم ہونے والا تھا۔بوندا باندی ہو رہی تھی۔واپس روانگی سے تقریباً گھنٹہ پہلے میرے دل میں خیال آیا کہ کسی اور کو حضور ساتھ لے جائیں یا نہ لے جائیں مجھے تو ضرور لے جائیں گے۔یہ وسوسہ یقین کی صورت اختیار کرنے لگا تو طلبی ہوگئی فرمایا 'اپنا تھیلا لے اور دربار شریف کو نکل جا'۔اڑھائی تین میل کا سفر، ہلکی ہلکی بارش اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں آفتاب بھی غروب ہونے کو۔غرور کی سزا سن کر چل پڑا، راستے میں حضور قبلہ عالم نقش لاثانی قدس سرہ کی کار پاس سے گزر گئی، دو سیٹیں بھی خالی تھیں مگر نہ رکے اور نہ ساتھ لیا۔آٹھ بجے کے قریب دربار شریف حاضر ہوا تو بھی لگتا تھا جیسے سزا ابھی پوری نہیں ہوئی۔

۳)......اس سے بھی بہت پہلے ۱۹۷۸ء میں حضور نقش لاثانی قدس سرہ فاضل اجل حضرت علامہ محمد عبدالحق ؒ کے سالانہ عرس مبارک کے سلسلے میں موضع دورے والی میں رونق افراز تھے۔یہاں سے اگلے روز لاہور، شیخوپورہ اور فیصل آباد کا سفر شروع ہونے والا تھا۔رات کو کھانے کے لئے بیٹھے تو میں حضور سے بہت دور تھا۔بعض علماء کرام بھی موجود تھے۔مجھے خیال آیا کاش حضور میری عزت افزائی کے لئے اپنے قریب بٹھا کر کھانا کھلائیں۔یہ وسوسہ پیدا ہوا ہی تھا کہ حضور نے اپنے قریب بلا لیا مگر اگلے روز وہاں سے روانہ ہو کر نارووال اسٹیشن پر پہنچے تو خود اپنے خدام سمیت لاہور تشریف لے گئے اور مجھے واپس شکرگڑھ بھیج دیا۔میں رو رہا تھا اور جانتا تھا کہ رات کی خواہش کا یہ دردناک انجام ہے۔الحمدللہ اس سے توبہ نصیب ہوئی اور بعد میں پھر کبھی شیطان یہ وسوسہ نہ پیدا کر سکا۔حقیقت یہ ہے کہ خود کو کسی قابل سمجھنا بہت بڑا جرم ہے اور اس کا اصل علاج مرشد کامل ہی کے پاس ہے۔اپنی تو پھر یہ کیفیت ہوگئی کہ کھانے کے دوران بلکہ تقریر کے سٹیج پر چھپ چھپا کر بیٹھنے میں زیادہ لطف آتا تھا۔ہاں اکثر از خود آپ قریب کر لیتے تھے اور یہ محض بیکس نوازی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ کی تربیت کا یہ خاص عنوان تھا یعنی دل میں غرور وتکبر کا بت ہوتا اسے کسی نہ کسی طریقے سے (توجہ سے، صحبت سے یا جلالی انداز سے) پاش پاش کر دیتے اور جب دل اس بوئے کبر سے پاک ہو جاتا تو ٹوٹے ہوئے دل پر خاص نوازشات فرماتے بعض لوگ جو انتہائی کم نظر (یا بدنصیب) ہوتے ہیں اصل حقیقت کو سمجھ نہیں پاتے اور فیض سے مزید محروم ہو جاتے ہیں۔یہ کم نظری اور کوتاہ بختی بھی دراصل غرور وتکبر کی بنیاد پہ ہوتی ہے۔اللہ کا بندہ اس سے نجات دلا کر اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلوانا چاہتا ہے۔خوش نصیب آدمی خود کو گنہگار وعصیاں شعار سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ 'جلال' بظاہر سرزنش اور زجر و توبیخ ہے مگر بباطن میری کامیابی کی خوشخبری ہے۔بدنصیب اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے لہذا کچھ نہیں سمجھتا۔آیئے اس کی مثالیں بھی واقعات کے ضمن میں دیکھیں۔

۴)......۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء مجھے ضلع بہاولپور میں بسلسلہ ملازمت رہنا پڑا۔اس دوران ایک بار حضور نقش لاثانی قدس سرہ ہمارے علاقہ شکرگڑھ میں تبلیغی دورے کی شکل میں چند روز تک مختلف دیہات کو نوازتے رہے۔سکول میں تعطیلات تھیں لہذا میں بھی حاضری سے مشرف رہا۔بہاولپور سے آئے ہوئے ایک برادر طریقت ماسٹر محمد رمضان صاحب بھی ہمسفر تھے۔خدا کا کرنا یونہی بغیر کسی معلوم وجہ کے دل میں یہ وہم پیدا ہو گیا کہ آقا اس غلام سے ناراض ہے نتیجہ یہ کہ ساتھ ساتھ سفر میں تو رہا مگر چپ چاپ۔حضور ماسٹر صاحب موصوف پر نوازش فرماتے اور کوئی بات بھی کرنی ہوتی تو انھیں سے کرتے مگر دوسروں پر ظاہر کئے بغیر مجھ سے خفگی کا سا برتاؤ۔آخر ہمارے علاقے میں دورے کی آخری رات بھی آ گئی۔حضور موضع جوئیاں میں میرے استاد محترم حاجی بشیر احمد مرحوم کے ہاں تشریف فرما تھے۔یہاں سے صبح ظفروال کی طرف (سترہ اٹھارہ میل کے فاصلے پر جانا تھا اور ہمارا گاؤں پھگواڑی جوئیاں سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر راستے میں پڑتا تھا۔عشاء کی نماز کے بعد ڈرتے ڈرتے حاضر خدمت ہو کر غریب خانے کو نوازنے

کی درخواست کی تو کچھ جلالی انداز میں فرمایا کیوں؟ بس پھر کیا تھا۔ آخری امید بھی ٹوٹ گئی۔ سخت افسردگی و کسمپرسی کے عالم میں ایک چار پائی پر دوسروں سے الگ تھلگ رنج وغم میں ڈوبا رہا۔ خیال یہ تھا کہ لوگ سو جائیں تو اٹھوں اور رورو کر دل کا غبار نکال لوں مگر یہ بھی نہ ہوسکا۔ اس شدت رنج کے باوجود نیند آگئی اور صبح آنکھ کھلی تو معلوم ہوا حضور صبح صادق سے بھی پہلے روانہ ہو گئے تھے۔ اب اپنے گھر کو روانہ ہوا مگر ایک ایک قدم من من کا' پریشانی کا بوجھ ناقابل برداشت ہوتا جارہا تھا گویا

وہ چلے جھٹک کے دامن مرے دست ناتواں سے
اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگ ناگہاں سے

مگر بندہ نوازی کی انتہا دیکھئے میں پہنچا تو حضور گھوڑی پر سوار غریب خانے کے دروازے کے باہر کھڑے تھے اور خواجہ اپنے غلام کا، داتا اپنے منگتے کا، غریب نواز ایک غریب کا اور شہنشاہ ولایت ایک بندہ بیکس کا انتظار فرمارہا تھا۔ بکمال کرم ارشاد ہوا۔ آگے لگ بئیں ندی تک یعنی میل ڈیڑھ میل تک جلو میں چلنے کا شرف بخشا اور بار بار ارشاد ہوتا، کچھ اور کہنا ہے واپس گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضور نے تہجد کے نوافل یہاں ادا کئے تھے۔ سب اہل کنبہ کو خوب نوازا۔ سورج نکلا تو بار بار فرماتے دیکھو آرہا ہوگا (اور میں سورج نکلنے کے تقریباً دو گھنٹے بعد جوئیاں سے آپ کی خدمت میں پہنچا تھا) کہاں وہ آٹھ دس دن کی بظاہر بے مہری کہاں یہ عنایات کی بے محابا بارش۔ گویا پہلے یہ انداز کہ تو قابل التفات اور لائق خطاب بھی نہیں پھر دل کو بھی اس کا احساس ہوگیا (کہ واقعی میں کسی قابل نہیں) تو رحمت جوش میں آگئی

بتانِ ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

(۵،۶)......ایک دفعہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ ایسے ہی ایک تبلیغی دورے کے دوران موضع گڑھی (متصل ٹرپئی) تحصیل شکرگڑھ میں تھے۔ مجھے بھی باریابی کا شرف حاصل تھا۔ مختلف دیہات میں تشریف لے جانے کا فیصلہ پہلے قبلہ حضرت حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (پلاٹ والے) کرتے تھے پھر گویا منظوری حضور خود دیتے تھے۔ قبلہ حافظ صاحب ﷫ نے اپنے اندازے کے مطابق فیصلہ دے دیا کہ پھگواڑی کے لئے وقت نہیں نکل سکتا۔ پھر کیا تھا میں نے رونا شروع کر دیا (کسی کے سامنے نہیں، تنہائی میں مسجد میں جا کر) دل کا غبار ہلکا ہوا تو حضور قبلہ عالم نے موضع للوال اور چند دوسرے دیہات میں تشریف لے جانے کے بعد رات کا فیصلہ خود غریب خانے کے حق میں دے دیا۔

یونہی ایک بار حضور نقش لاثانی قدس سرہ شکرگڑھ ظفروال روڈ پر واقع موضع قاسم پورہ میں رات قیام فرمارہے۔ صبح سویرے فقیر پر گریہ طاری ہوگیا (اس لئے کہ بظاہر پھگواڑی جانے کی صورت نظر نہیں آتی تھی) روتا جاتا تھا اور بار بار عرض کرتا جاتا تھا کہ حضور پر میرا حق تو کوئی نہیں مگر پھر بھی کرم کی التجا ہے۔ حضور تبسم جاں نواز کے ساتھ فرماتے 'یادرکھنا' میں عرض کرتا، حضور پر میرا کوئی حق نہیں مگر کرم کی التجا ہے۔ آخر سرکار نے کرم فرمادیا اور سیدھے قاسم پورے سے نو دس میل فاصلہ طے کر کے پھگواڑی تشریف لے آئے (حالانکہ عموماً قریب قریب کے دیہات ان نوازشات کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے)

حقیقت یہ ہے کہ گریہ بھی اسی وقت اور اسی صورت میں طاری ہوتا تھا جب حضور خود دل پر توجہ فرمادیتے تھے یعنی چند روز ہمسفر رہنے کے باوجود بھی کسی میں عجز و نیاز اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا نہ ہوتی تو حضور رحمۃ للعلمین علیہ الصلوۃ والسلام کے لخت جگر کو اس پر ترس آجاتا اور خصوصی توجہ سے اس پر رحم فرماتے یعنی اسے مزید قابل رحم بنانے کے لئے اس کی زمین دل کو اسی کے آنسوؤں سے سیراب کرتے۔ یہ بندے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اخلاق کے مظہر ہوتے ہیں اور اس کا ایک خلق یہ بھی ہے، بقول حضرت مولائے روم ﷫

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند      میل مارا جانب زاری کند!!

یعنی جب خدا ہماری مدد فرمانا چاہتا ہے تو ہمارا میلان رونے کی طرف کر دیتا ہے۔

اولیاء کرام کا لوگوں پر مختلف کیفیات کا طاری کر دینا ان کی مشہور کرامات کا ایک اہم باب ہے۔ وہ خداداد طاقتوں سے مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں تو رلانا اور ہنسانا ان کے لئے کیونکر مشکل ہوگا۔ مردان حق کے ارادے بقول حضرت اقبالؔ فطرت کے مقاصد کا عیار ہو جاتے ہیں لہذا ان کی توجہ گویا رحمت حق کی توجہ کا مظہر بن جاتی ہے۔ لہذا رلانا چاہیں تو رلا دیں، رونا بند کرنا چاہیں تو بند کر دیں اور ہنسانا چاہیں تو ہنسا دیں۔ میں نے یہ سب کچھ اپنے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے تصرفات و کمالات میں مشاہدہ کیا ہے اور گویا اتنی بات پر میرا یقین بحمد تعالیٰ حق الیقین کا مرتبہ حاصل کر چکا ہے چنانچہ میرے والد مکرم ؒ نے وصال فرمایا تو میں بہت زیادہ روتا رہا۔ ایک دن حضور نقش لاثانی قدس سرہ موضع گندھووالی میں (جہاں میرے ماموں رہتے تھے اور والد ماجد نے انتقال فرمایا تھا) تشریف لائے تو واپسی پر علیحدگی میں مجھ سے فرمایا، صبر کر، رونا نہیں۔ میں نے دل ہی دل میں جواب دیا، اب یہ رونا کیونکر بند ہوگا۔ مگر ہوا کیا اس کے بعد اس بارے میں بالکل رو نہ سکا۔ (یعنی والد مرحوم کی جدائی میں ایک آنسو تک نہ نکل سکا)

اب پھر میں وہ واقعات سنانا چاہتا ہوں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ غرور و تکبر کا علاج کس حذاقت و مہارت سے فرماتے تھے۔

۷)...... یہ واقعہ بھی غالباً ۱۹۶۸ء تا ۱۹۶۹ء میں رونما ہوا۔ حضور نقش لاثانی قدس سرہ ایک تبلیغی و تذکیری دورے میں موضع لالیاں سے موضع چک قریشیاں (تحصیل شکر گڑھ) کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ میری اپنی گھوڑی بھی ساتھ تھی اور جب خادمان بارگاہ کو ضرورت نہ رہی تو مجھی کو حضور نے اس پر سوار کر دیا۔ راستے میں گھوڑی پر بیٹھنے کی وجہ سے کچھ غرور و تکبر پیدا ہو گیا تو منزل مقصود پر پہنچ کر حضور نے اس پر عزیزم محمد اقبال قمر اور عزیزم قاری ذوالفقار علی دونوں صاحبان کو جو لاہور سے آئے تھے سوار کر دیا اور ساتھ ایک آدمی دے کر کہا شکر گڑھ میں انھیں بس پر سوار کر کے واپسی پر گھوڑی پھگواڑی میں چھوڑ آنا مجھے گویا پیدل چلنے کا اشارہ ہوا۔ ہلکا ہلکا بخار بھی تھا چنانچہ باقی سفر پیدل کرنا پڑا۔ چک قریشیاں سے کوٹ نیناں وہاں سے موضع بوراڈلا (جہاں شام کے دھندلکے میں پہنچے) یہ سفر مزید چند روز جاری رہا مگر یہ فقیر بخار کے باوجود پیدل مارچ کرتا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ اس گنہگار پر از حد مہربان تھے۔ اور اس کی اصل وجہ تو یہ تھی حضور نقش لاثانی قدس سرہ اس جان رحمت اور سرچشمہ رحمت کی ذریت مقدسہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو اللہ ارحم الراحمین کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر اور رحمۃ للعلمین ہیں (ﷺ) آپ 'رحم برائے رحم' فرمانا چاہتے تھے یعنی جذبہ یہ تھا کہ رحم فرمانے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہ ہو پھر بھی چونکہ طبیعت خود سراپا رحمت ہے لہذا کسی بُرے سے بُرے کو بھی، اور نکمے سے نکمے کو بھی اس سے محروم نہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اگر آپ مائل بہ کرم نہ ہوتے تو مجھ ایسے سینکڑوں لوگ محروم رہ جاتے۔ لہذا آپ ہمہ وقت اور ہمہ جہت کرم فرمانے پر تلے ہوئے تھے (اس کی تفصیل انشاء اللہ کسی اور موقع پر بھی آئے گی) میرے بارے میں خصوصی کرم کی کسی حد تک یہ وجہ بھی تھی کہ میرے نانا جان چودھری علی محمد مرحوم اور والد ماجد منشی محمد مقبول مرحوم اس در کے باوفا مخلص اور فیض یافتہ تھے۔ ان کا صدقہ (یعنی کان ابوھما صالحاً کے مصداق) بھی مجھ پہ کرم ہوتا رہا اور وہ بھی ایسا کرم جو کرم رحمۃ للعلمین ﷺ کا مظہر تھا یعنی

ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

چنانچہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ اپنے دور کے طبیب لاثانی تھے تو یہ فقیر مریض لاثانی۔ اگر اس مریض لاثانی سے کوئی بری حرکت سرزد ہوگئی تو اصلاح کے لئے چھوٹی موٹی سزائیں دیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا مگر پھر بھی کبھی در سے دور نہ کیا اور چھوٹی موٹی سزائیں بھی دراصل علاج ہی کے طور پر تھیں جیسا کہ گزرا۔ دل سے غرور و تکبر کا قلع قمع کرنے کے لئے حضور نقش لاثانی قدس سرہ اس عاجز کو ایسے لباس سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ جس سے فخر و کبر پیدا ہو جائے (چونکہ میں ان آلائشوں کا زیادہ شکار تھا لہذا یاران طریقت میں یہ رویہ بھی زیادہ تر مجھی سے مخصوص تھا) چنانچہ بعض دفعہ سفر میں

بھر جاری رہتا مگر کپڑوں کا ایک ہی جوڑا استعمال میں آتا۔میل کچیل پورے عروج پہ پہنچ جاتی پھر بھی کپڑے ساتھ ہونے کے باوجود بدل نہ سکتا (حضور زبان سے ایسا نہیں فرماتے تھے بلکہ دل کی کیفیت ایسی کردی تھی کہ جرات نہیں ہوتی تھی ) اکثر ایسے حال میں کسی جلسہ عام سے خطاب کرتا ہوتا بلکہ سٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دینا ہوتے مگر لباس وہی میلا کچیلا (گویا نفس پر اور بھی بوجھ) کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بڑے بڑے علماء و فضلا، کرسی نشیں حضرات اور سیاسی لیڈروں سے بھی بطور خاص تعارف کرایا جاتا (کہ یہ ایک کالج میں پڑھاتا ہے) بلکہ کبھی اپنے کالج کے باہر کھڑا کیا جاتا مگر کپڑے وہی۔ میں سمجھتا ہوں اور اس وقت بھی سمجھتا تھا کہ یہ سب بت پندار توڑنے کی تدبیریں ہیں۔

'بطور خاص' کی وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔دربار شریف میں گندم کی کٹائی ہو رہی تھی۔صوفی محمد حسین اور میاں حسن محمد دونوں نعت خوان بس کے اڈے کے قریب کٹائی میں مصروف تھے۔یہ عاجز دربار شریف میں خدمت میں حاضر تھا۔بہاؤلی چک تحصیل شکر گڑھ میں ایک حاجی صاحب کا چہلم تھا جس میں حضور کو تشریف لے جانا تھا۔روانگی کے وقت ارشاد ہوا کہ ان دونوں کے کپڑوں کے تھیلے کار میں رکھ لو تا کہ وہ بدل سکیں مگر مجھے ایسا ارشاد نہ ہوا۔اُنھیں راستے سے لیا کپڑے بدلوائے مگر میں جوں کا توں منزل پر پہنچا اور ہاں وہاں حاضرین کے جم غفیر کے سامنے مجھے سٹیج کی ذمہ داری سونپی گئی۔

ہاں اس سلسلے میں ایک بات بہت حیرت انگیز تھی۔عموماً چار پانچ دن تک لباس نہ بدلا جائے تو بدبو محسوس ہونے لگتی ہے مگر یہاں ان کی کرامت جلوہ گر ہو جاتی تھی بعض اوقات مہینہ بھر ایک ہی لباس استعمال ہونے کے باوجود بدبو محسوس نہیں ہوتی تھی (نہ خود کو نہ کسی اور کو)

حضور قبلہ عالم قدس سرہ نے رنگین لباس سے ہمیشہ پرہیز فرمایا چنانچہ آپ کا پیراہن شریف ہمیشہ سفید ہوتا تھا بلکہ جو چادر مبارک سرانور یا دوش مبارک پر ہوتی تھی۔وہ بھی سفید ہوتی تھی۔البتہ تہمد مبارک میں کبھی کبھی کوئی ہلکا سا رنگ سلیٹی یا نسواری بھی دیکھا جاتا تھا۔سفید رنگ بھی شدید سفید نہیں ہوتا تھا۔یہی انداز آپ اپنے زیر تربیت مخصوص افراد میں دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ حضور کی غلامی میں باقاعدہ آنے کے بعد رنگین قمیض یا شلوار پہننا تو خلاف مزاج ہو گیا ایک دفعہ کی بات ہے میرے ماموں چودھری محمد رفیق صاحب کو میرے لئے قمیض تیار کرانے کا خیال آیا اُنھوں نے والدہ مرحومہ کے ذریعے مجھے قمیض پہنوا دیا مگر کپڑے میں باریک اور نہایت مدھم سی لکیریں تھیں۔انھی دنوں حضور نقش لاثانی قدس سرہ موضع بوعہ میں تشریف لے آئے۔مجھے اس لکیر والے کپڑے کے ساتھ حاضر ہونے سے ڈر آتا تھا لہذا جان بوجھ کر نماز مغرب کے بعد اتنی تاخیر سے حاضر ہوا کہ لکیریں نظر نہ آسکیں مگر سلام عرض کرتے ہوئے جو اولین جملہ زبان اقدس سے ارشاد ہوا یہ تھا، ہن تے آسی وی لکیر دار کپڑے پاندا اے، یعنی وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔

اس تربیت کے اثرات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ نہایت ہی سفید لباس پہن کر حاضر خدمت ہونا بھی طبیعت کو نا گوار تھا یا یوں سمجھئے اسطرح حاضر ہونے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔اگرچہ آداب شیخ میں بزرگانِ دین نے ایسی باتیں شامل فرمائی ہیں مگر حضور نقش لاثانی قدس سرہ اپنی زبان مبارک سے یہ تلقین ازراہ انکسار نہیں فرماتے تھے تاہم فیض صحبت سے مشرف ہونے والے آپکی برکت سے خود بخود ایسے آداب پر عمل پیرا ہو جاتے تھے چنانچہ اپنا بھی یہی حال تھا یونہی دور آخر میں میرے لئے حضور کی خدمت میں اچکن وغیرہ پہننا بھی از حد مشکل بلکہ محال تھا۔ایک دفعہ کا ذکر ہے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے دربار شریف حاضر ہوا تو اچکن پہنے تھا۔معمول کے راستے پر جاتا تو حضور سامنے جلوہ افروز ملتے۔میں تانگے پر بیٹھے بیٹھے آگے نکل گیا اور پھر اوپر سے ہو کر اپنے کمرے میں آیا۔یہاں صبح کے میلے کپڑے پہنے اور پھر حاضر خدمت ہوا۔حقیقت یہ ہے کہ حضور کے سامنے جناح کیپ بھی نہیں پہن سکتا تھا۔غرور و تکبر کے علاج کے ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ حضور نقش لاثانی قدس سرہ دور آخر میں منہ پر کسی کی تعریف کرنے کو از حد ناپسند فرماتے تھے کیونکہ اس سے انسان کا نفس موٹا ہوتا ہے۔کوئی آپ کے منہ پر آپ کی تعریف کرتا تو روک دیتے بعض پیشہ ور قسم کے ثنا خوان مختلف آستانوں پر جا کر مشائخ کی مدح و ثنا کر کے خوب کمائی کر لیتے ہیں۔مگر یہاں یہ روش سخت مکروہ سمجھی جاتی تھی۔بعض دفعہ ایسے واعظ یا

نعت خوانوں کو سختی سے روکتے۔ نہ سمجھ سکتا تو سختی فرماتے چنانچہ جلوموڑ میں حضرت پیر سید اسمٰعیل شاہ صاحب ﷫ کے سالانہ عرس میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ایک نعت خوان نے حضور نقش لاثانی قدس سرہ کو زینت محفل دیکھا تو آپ کی تعریف شروع کردی۔آپ نے منع فرمایا تو وہ باز نہ آیا پھر حضور نے اسے سخت تھپڑ مار کر بٹھا دیا۔اس سلسلے میں میری اپنی روش یہ تھی کہ عربی خطبے کے بعد اردو میں خطاب کا آغاز کرتا تو جلدی سے اتنی بات کہہ کر کہ حضور قبلہ عالم مدظلہ العالی کی توجہ کا محتاج ہوں یا اس کلمہ کے ہم معنی کوئی ایسا ہی جملہ موضوع کی طرف آ جاتا۔ظاہر ہے حضور قبلہ عالم مدظلہم العالی جیسے الفاظ مرید اپنے شیخ کے لئے استعمال کرتا ہے اوران میں کوئی اختصاصی وامتیازی پہلو نہیں جسے ستائش کا نام دیا جائے۔جلد موضوع کی طرف آنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور ناراض نہ ہو جائیں۔حضور نقش لاثانی قدس سرہ از حد مہربان اور دلنواز تھے۔آدمیت،احترام آدمی اہم عنوان تھا۔بڑا تو کجا کسی مجھ ایسے چھوٹے سے چھوٹے انسان کی تذلیل بھی گوارا نہیں تھی۔خدمت میں حاضر ہونے والے آپ کی شفقت ورحمت سے بہت متاثر ہوتے تھے۔مگر اس کے باوجود کسی کے منہ پر بھی کسی کی تعریف نہ فرماتے تھے کئی دفعہ زبان اقدس سے ارشاد فرماتے ، مجھے چاپلوسی نہیں آتی۔بالخصوص زیر تربیت افراد کے بارے میں بڑی احتیاط ملحوظ تھی۔علماء ونعت خوان حضرات کو خوب نوازتے مگران کے منہ پر کوئی سر ٹیفکیٹ نہ دیتے بلکہ تنہائی میں دوسروں کے سامنے مستحق حضرات کے علم وفن یا کسی دوسری خوبی کو ضرور سراہتے۔خطاب یا نعت خوانی کے دوران انعامات سے یا کبھی جھوم کر یا آنسو بہا کر یا جزاک اللہ فرما کر اپنے سرور کا اظہار فرماتے یہ جزاک اللہ تقریر یا نعت ختم کرانے کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ دلی خوشی کا اظہار کر کے مقرر ونعت خوان کی بھلائی کے لئے واقعی دعا ہوتی تھی۔

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب یہ فقیر ضلع بہاولپور میں تدریسی فرائض سرانجام دیتا تھا۔وہاں سے کچھ یارانِ طریقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اس ناچیز کی بہت تعریف کی۔حضور بھی بہت مسرور ہوئے۔اُنھوں نے عرض کی حضور ابھی اُسے (یعنی مجھے) وہیں رہنے دیں۔فرمایا اس کی بوڑھی ماں کو بھی اس کی خدمات کی ضرورت ہے لہٰذا اب اسے واپس آ جانا چاہیے، میں اس وقت دربار شریف میں حاضر نہیں تھا۔اگلے روز آیا تو راستے میں ہی ایک درویش نے یہ سارا واقعہ سنا دیا۔میں خوش تھا کہ حضور نقش لاثانی (قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر ہوں گا تو آپ خود یہ واقعہ بیان فرمائیں گے مگر آپ نے ذکر تک نہیں کیا۔آخر سوچا شاید آپ بھول گئے ہوں یاد کرانا چاہیے (اور نفس کا یہ سخت دھوکا تھا) عرض کی حضور کل بہاولپور سے کچھ آدمی آئے تھے فرمایا یہاں آتے رہتے ہیں۔کتنے مختصر جملے سے نفس کی ساری بیقراری کا علاج کر دیا۔

یہاں ایک اور پرانا واقعہ بھی یاد آ گیا جس کے راوی ڈاکٹر احمد حسن صاحب (ساکن بلے والا تحصیل سیالکوٹ) ہیں۔اُن کے بیان کے مطابق حضور نقش لاثانی قدس سرہ سلطان سوپ فیکٹری میں غالباً اس کے مالک صوفی عبدالحمید مرحوم کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔صوفی صاحب ان دنوں ایک سائیں صاحب کے بڑے مداح تھے انھوں نے حضور سے بھی ان کے بارے میں بہت کچھ کہا۔چائے آپ کی خدمت میں پیش ہوئی تو چند لمحوں میں سائیں صاحب بھی آ گئے اور آتے ہی فرمانے لگے سید کے بارے میں جیسا سنا تھا،اس سے بڑھ کر پایا۔حضور نقش لاثانی قدس سرہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔بہرحال سائیں صاحب بیٹھ گئے اور چائے کا کپ ہاتھ میں اٹھا کر کہنے لگے۔حضور آپ نماز کہاں پڑھتے ہیں۔آپ نے فرمایا ہم نے کبھی نماز پڑھی نہیں۔آپ کا فرمانا تھا کہ سائیں صاحب پر رعشہ طاری ہو گیا۔بڑی مشکل سے ایک دو گھونٹ پیئے اور محفل سے اُٹھ کر چپ چاپ چلے گئے۔مجھے (یعنی ڈاکٹر صاحب کو) سخت حیرت تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے۔جب باقی احباب ادھر اُدھر ہوئے اور خدمت میں صرف میں رہ گیا تو حضور نے خود پوچھا ڈاکٹر صاحب! کس بات پر حیران ہو۔میں نے عرض کیا حضور نہ تو مجھے سوال و جواب کی سمجھ آئی اور نہ کپکپی کی وجہ معلوم ہو سکی فرمایا سائیں صاحب کا پہلا جملہ (سید کے بارے میں جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا) اس لئے تھا کہ میں بھی جواباً تعریف کروں گویا انھیں من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو والی صورت مقصود تھی۔وہ ناکام ہو گئے پھر بیٹھ کر ان کا نماز کے بارے میں پوچھنا اس لئے تھا کہ میں مثلاً کہوں گا کہ فجر کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھتا تھا ہوں،ظہر کی نماز مکہ معظّمہ میں،عصر کی۔۔۔۔۔۔تو میرے جواب میں وہ فرماتے کہ ہاں ایسا ہی دیکھا ہے۔جب میں نے جواب دیا (کہ کبھی پڑھی نہیں) تو گویا ان کی توقعات پر پانی پھر گیا اوران کا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا۔

☆......☆......☆

# اخلاق محاسن اور ان کے پاکیزہ اثرات

جناب ایاز احمد خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ایک ہمہ گیر اور مکمل ضابطہ حیات ہے جہاں وہ عقائد و عبادات کی تعلیم دیتا ہے اور تزکیہ نفس کا طریقہ سکھاتا ہے وہیں حسن اخلاق اور حسنِ معاشرت کا طریقہ وسلیقہ بھی سکھاتا ہے اور انہیں غیر معمولی اہمیت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کا اتمام بتایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ''**بعث لاتمم مکارم الاخلاق**'' (موطا امام مالک ؒ)

حضرت امام غزالی ؒ اخلاق کی تعریف بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں ''خلق نفس کی اس ہیئت کا نام ہے جس سے بلا تکلف تمام اخلاق صادر ہوں اگر اقوال شرعاً و عقلاً عمدہ ہوں تو اس ہیئت کو خلق نیک اور اگر افعال بد ہوں تو قابلِ مذمت ہیں تو انہیں بد کہتے ہیں'' (احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۶)

حضرت غوثِ پاک ◆ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ خلق یہ ہے کہ تم اس کے تمام اوامر کو بجالاؤ اور ممنوعات کو ترک کردو اور عام حالات میں بغیر کسی استحقاق کے اس کی اطاعت کرو اور بغیر تردد کے اپنے تمام مقدرات اسی کے سپرد کرو اور بغیر کسی شریک کے اس کو ایک تسلیم کرو اور بغیر کسی شک کے اس کو وعدہ میں سچا جانو'' (غنیۃ الطالبین ص ۶۵۶)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''**انک لعلی خلق عظیم**'' بے شک آپ کے اخلاق عظیم الشان ہیں۔ حسنِ اخلاق بندے کی تمام صفتوں میں افضل ہے۔ اس سے جوانمردوں کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ انسان اپنی جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے پوشیدہ ہے لیکن اپنے اخلاق کے لحاظ سے ظاہر و نمایاں ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو معجزے کرامتیں اور بہت سے فضائل خاص طور پر عطا فرمائے ہیں لیکن ان فضائل میں سے کسی ایک کی ایسی تعریف نہیں کی جیسی کہ آپ کے اخلاق کی فرمائی ہے۔

بعض محققین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے خلق کی تعریف اس لئے فرمائی کہ آپ ﷺ نے دونوں جہان بخش دیئے اور خدا تعالیٰ پر ہی اکتفا کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلق عظیم یہ ہے کہ کمال معرفت الٰہی کی بنا پر کسی سے جھگڑا نہ کیا جائے، نہ کوئی اس سے جھگڑا کرے یعنی نہ کسی سے اپنا حق مانگے کہ اس کے باعث جھگڑا کرنا پڑے اور نہ کسی کی حق تلفی کرے کہ دوسرا اس کے باعث اس سے جھگڑا کرے۔ بعض حضرات نے خلق عظیم کی تعریف یہ کی ہے کہ حق کی معرفت کے بعد دوسرے لوگوں کے برے اخلاق اس پر اثر انداز نہ ہوں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حسنِ خلق یہ ہے کہ آدمی کے ارادے کے سامنے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ ہو۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۵۵)

ساری دنیا کو اپنے دامن میں سمیٹنا اگرچہ مشکل معلوم ہوتا ہے، مگر انسان کی زندگی میں ایک ایسا قانون قابل لحاظ ہے کہ اگر اس پر انسان کاربند ہو جائے تو ایک دن دنیا اس کی گرویدہ ہو جائے گی۔ قانون یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ان کے ساتھ محبت و عزت سے پیش آنا اور اپنا

دل دوسروں کے لئے نرم رکھنا، اسی کا نام اخلاق ہے۔ حضور محسنِ انسانیت رحمۃ للعالمین ارشاد فرماتے ہیں ''اعمال کے ترازو میں خوش اخلاقی سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہے''۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ''تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں'' واقعی اچھے اخلاق سے انسان شائستہ اور مہذب کہلانے لگتا ہے۔ بالکل جیسے سورج نکلتا ہے تو چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے اور ریگستان میں آبِ شیریں موجب برکت ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاق کا بھی حال ہے آدمی کسی سے محبت کی بات کرتا ہے، پڑوسیوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، لوگوں سے اخلاق سے پیش آتا ہے تو وہ مثل آفتاب چمکنے لگتا ہے، ہر کوئی اس کے گن گاتا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسے آدمی کو کسی کام میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، حسن اخلاق اور حسنِ معاشرت کے باب میں واقعات بے شمار ہیں جنہیں احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ بلادِ عرب و عجم میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں حسنِ اخلاق کا بہت نمایاں اور تاریخ ساز کردار رہا ہے اگر یہ لکھا جائے کہ اسلامی شجر کی تخم ریزی سے آبیاری تک کا مرحلہ حسنِ اخلاق کا مرہونِ منت ہے تو یہ مبالغہ نہیں بلکہ تاریخی صداقتوں کا برملا اظہار ہوگا۔

ہمارے اس مقولے پر شاید آپ کو یقین نہ آئے لیکن حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ تاریخ کے ہر طالب علم کو یہ بات اچھے طریقے سے ذہن نشین ہوگی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے کلمہ حق بلند کیا تو سب دشمن ہوگئے برا بھلا کہنا، آوازیں کسنا، راستے میں کانٹے بچھانا روزانہ کا معمول تھا۔ حضور ﷺ کا اخلاق ملاحظہ ہو کہ ذرا بھی برا نہیں مانتے، غصہ نہیں ہوتے، بلکہ اور محبت و شفقت سے پیش آتے۔ کوئی بیمار ہو جاتا تو بیمار پرسی کرتے، عیادت کو جاتے۔ مکہ میں جب آپ تھے تو مستقل ایک گھر سے آپ ﷺ کے اوپر کوڑا پھینکا جاتا تھا جب آپ ﷺ گلی سے گزرتے تو کوڑے کرکٹ کی بوچھاڑ ہو جاتی۔ ایک دن معمول میں فرق آ گیا تو خود ہی جا کر بیمار پرسی فرمائی۔

اس واقعہ سے بھی ہمارے مقولے کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایک یہودی حضور محسنِ انسانیت رحمۃ للعالمین ﷺ کا مہمان ہوا، گھر میں جتنا کھانا پکا تھا وہ اس نیت سے سب کا سب کھا گیا کہ گھر والے بھوکے رہیں، رات کو اسے بدہضمی ہوگئی تو اس نے کوٹھری ہی میں رفع حاجت کی اور بستر بھی گندا کر دیا۔ پھر صبح سویرے اٹھ کر اس خوف سے فرار ہوگیا کہ کہیں کوئی اس کی شرارت کو دیکھ نہ لے۔ جلدی میں وہ اپنی بیش قیمت تلوار وہیں بھول گیا، راہ میں یاد آئی تو واپس ہوا، کیا دیکھتا ہے کہ اس غلاظت کو حضور ﷺ خود اپنے دستِ مبارک سے صاف کر رہے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو کچھ نہ کہا بلکہ محبت سے اس کا حال پوچھا اور تلوار نکال کر دے دی۔ حضور محسنِ انسانیت ﷺ کے اس فعل اور آپ ﷺ کا یہ اخلاق کریمانہ دیکھ کر وہ یہودی مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

**حسنِ اخلاق کی فضیلت:** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے حسنِ خلق کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی **خذ العفو و امر بالمعروف واعرض عن الجاھلین** ۔ درگزر کرنا اختیار کرو نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ پھر حضور اکرم محسنِ انسانیت پیکر خلوص وللّٰہیت ﷺ نے فرمایا کہ حسنِ خلق یہ ہے کہ تو قطع تعلق کرنے والوں سے صلہ رحمی کرے، جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کرے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کرے۔

حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا 'حسنِ خلق'۔ فرمانِ نبوی ہے کہ 'اللہ تعالیٰ نے جس بندے کی پیدائش اور خلق کو بہترین بنایا اسے وہ جہنم میں نہیں ڈالے گا' حضرت فضیل ♦ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ فلاں عورت رات کو تکلیف دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'اس میں بھلائی نہیں ہے وہ جہنمیوں میں سے ہے'

نصیر الدین رضوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ''اللہ اللہ کیسا عظیم وصف ہے کتنا وسیع المعانی لفظ ہے اس کی وسعت کا اندازہ مندرجہ ذیل اوصافِ حمیدہ کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔

**اوصافِ حمیدہ:** ایمان، اخلاص، تدبیر، تفکر، تامل، اطاعت، استغناء، خوف خدا، رضا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، دعوتِ خیر، ارشادِ حق، اندازِ تفکر، تواضع، صبر، احتساب، یقین، توکل، قوت و ارادہ، عزم، ثبات، توبہ استغفار، استخارہ، فراست، زیرکی، عتاب، انصاف، احتیاط، امانت، راست بازی، عبرت پذیری، حیاء، قبول، نصیحت، بیدار مغزی۔ (کنزالایمان جولائی ۲۰۰۴ء ص ۳۹)

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حسن اخلاق اور حسن معاشرت کے باب میں واقعات بے شمار ہیں جنہیں احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا اس لئے درج ذیل سطور میں عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین کے چند مشہور واقعات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے ان کے اچھے تاثرات پیش کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں گے۔

## ﴿عہد رسالت کے چند مشہور واقعات﴾

(۱)...... ایک شخص کا آپ پر قرض تھا اس نے آپ کی خدمت میں آ کر سخت تقاضا کیا حالانکہ جو وعدہ کا دن تھا وہ ابھی نہیں آیا تھا وہ جوں جوں سختی کرتا تھا، آپ نرمی سے جواب دیتے یہودی کی سختی کو دیکھ کر حضرت عمر ◆ کو غصہ آ گیا لیکن حضور نے انہیں سمجھایا کہ تمہیں چاہئے تھا کہ مجھ سے قرض ادا کرنے کیلئے کہتے اور اس کو محبت سے سمجھاتے کہ نرمی اختیار کرو جھڑکنا اور غصہ نہیں ہونا چاہئے جاؤ اب اس کا قرض ادا کرو ان الفاظ نے جادو کا کام کیا اور وہ یہودی آپ کی نرم دلی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا (اسلامی زندگی کے نشان راہ۔ص:۵۷)

(۲)...... عمیر ابن وہب حضور ﷺ کا جانی دشمن تھا مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لئے جب سارا قریش بے چین تھا تو ایک بڑے انعام کے لالچ میں اپنی تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینے پہنچا تا کہ حضور ﷺ کا کام تمام کر دیا جائے۔ لیکن خدا کی مرضی کہ اس کا راز فاش ہو گیا۔ حضرت عمر ◆ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی مگر حضور ﷺ نے منع فرما دیا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے دلجوئی کی باتیں کی اور کوئی تعرض نہ فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کے اس عمل نے اس کا دل جیت لیا اور وہ شخص جو برا ارادہ لے کر مکہ سے نکلا تھا محسنِ انسانیت کے پاکیزہ اخلاق، حد درجہ نرمی اور انتہائی عفو و کرم کو دیکھ کر حلقۂ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

(۳)...... عوالی میں ایک غریب عورت رہتی تھی وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ رات کو کسی وقت مر جائے گی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو خبر کر دینا۔ اس عورت نے کچھ رات گئے انتقال کیا جنازہ تیار کر کے لایا گیا، تو آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام نے اس وقت تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی اور رات ہی کو دفن کر دیا۔ صبح کو آپ ﷺ نے دریافت کیا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی وقت صحابہ کو ساتھ لیکر اس کی قبر پر جا کر دوبارہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ ویسے تو یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ حضور ﷺ دوسروں کی دلجوئی کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ اور یہ سوچیے کہ آنحضرت ﷺ کے اس اخلاق اور احسان کو دیکھ کر اس غریب بڑھیا کے پسماندگان کتنے مسرور ہوئے ہوں گے اور حضور اقدس ﷺ کے محبت بھرے برتاؤ نے ان کے دل کو کس قدر متاثر کیا ہو گا۔

(۴)...... ایک بڑھیا سرِ راہ مزدور کی تلاش میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ادھر سے آپ ﷺ نکلے آپ نے اس کی خواہش کے مطابق سامان سر پر رکھا اور جائے سکونت تک پہنچا دیا۔ رخصت کے وقت بڑھیا نے جو آپ کو نصیحت کی وہ بڑی پر لطف ہے اس نے کہا تم اچھے نوجوان معلوم ہوتے ہو، دیکھو محمد (ﷺ) کی باتوں میں مت آنا میں نے سنا ہے کہ وہ آدمیوں کو اپنے آبائی دین سے پھیر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس بڑھیا نے آپ ﷺ کا نام پوچھا اور نام سن کر حیرت میں پڑ گئی اور آپ ﷺ کے حسن سلوک کو دیکھ کر فوراً ایمان لے آئی۔ یہ صرف ایک معمولی سی خدمت کا کرشمہ تھا جس نے بڑھیا کے مزاج کو بدل دیا اور وہ کافرہ سے مسلمہ ہو گئی اور تھوڑی دیر پہلے جس کو برا کہتی تھی اب اس کے نام کا کلمہ پڑھنے لگی۔ حضور محسنِ انسانیت رحمۃ للعلمین ﷺ کی کامیابی کا راز اسی جذبہ خدمت میں مضمر ہے اس سے عرب جیسی اکھڑ قوم میں آپ ﷺ فیروز مند ہوئے۔

تاریخ رسالت ﷺ کی اوراق گردانی اور عہدِ رسالت مآب ﷺ کے حالات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت آشکارہ ہو جاتی ہے کہ روحوں کو جیتنا اور دلوں کو مسخر کرنا اور لوگوں کی زندگی میں اخلاقی انقلاب پیدا کرنا آپ ﷺ کا اصل معرکہ تھا۔ چنانچہ اس روش سے حریف زیر ہوتے گئے آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ کا دم بھرنے لگے اگر آپ ﷺ کے پاس کوئی برا اردہ لے کر آتا تو آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق، حد درجہ نرمی اور انتہائی عفو کرم کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا۔

آپ ﷺ کے یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے جسے سنگدل اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے نرم سے نرم تر ہو جاتے اور دامنِ اسلام کی معطر اور خوشگوار فضا سے اپنے عقیدے کے رشتے کو جوڑنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اور یہی نہیں بلکہ دامنِ اسلام سے وابستہ ہو جانے کے بعد محسنِ انسانیت رحمۃ للعالمین ﷺ سے عشق و عقیدت، الفت و محبت اور جاں نثاری کا لاثانی اور تاریخ ساز ثبوت بھی فراہم کرتے تھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قطع تعلق کرنے والوں سے صلہ رحمی کی جائے اور ظلم کرنے والوں کو معاف کیا جائے، اس لئے کہ آگ سے آگ کبھی نہیں بجھتی لیکن آگ پر پانی ڈال دیا جائے تو فوراً بجھ جاتی ہے۔ لڑائی کے بدلے لڑائی اور جنگ کے بدلے جنگ یہ چھچھورے آدمی کا کام ہے۔ تلوار سے ملک جیتے جا سکتے ہیں دل نہیں۔ دل جیتنے کے لئے صلہ رحمی، عفو درگزر، اچھے اور پاکیزہ اخلاق کی ضرورت ہے۔ دوسروں پر قابو پانے، اپنا دوست بنانے اور روزمرہ کے معاملات کو خوبی سے طے کرنے کا اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

## ﴿عہدِ خلفاءِ راشدین کے چند مشہور واقعات﴾

(۱)...... حضرت عمر ♦ اطراف مدینہ میں رہنے والی ایک سن رسیدہ بڑھیا کی دیکھ بھال کے لئے جایا کرتے، اس کے لئے پانی بھر کر لاتے اور دوسرے کام کر دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد دیکھا کہ کوئی دوسرا آدمی ان سے پہلے آکر سارے کام کر جاتا ہے۔ بہت کوشش کی کہ خود پہلے پہنچیں مگر نہ ہوسکا۔ ایک بار گھات میں بیٹھے کہ دیکھیں کون آتا ہے، دیکھا کہ حضرت ابوبکر ہیں جو ان سے پہلے آجاتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہو چکے تھے۔ (ابن عساکر تاریخ الخلفاء ص ۸۰)

(۲)...... حضرت عمر ♦ ایک رات گشت کرتے ہوئے مدینے سے دور نکل گئے۔ وہاں دیکھا ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے اس کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ آپ نے عورت سے بچوں کے رونے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کچھ کھانے کو نہیں بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے ماں نے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ یہ سن کر آپ ♦ بے چین ہو گئے اور اسی وقت کھانے کا سامان لینے مدینے آئے اور اپنے کاندھے پر رکھ کر اس عورت کے گھر تک لے گئے پھر کھانا خود پکایا اور بچوں کو کھلایا اس وقت آپ ♦ کو سکون ہوا۔

(۳)...... حضرت علی ♦ کے واقعات میں مورخین نے لکھا ہے کہ جس دن ان کی وفات ہوئی اور لوگ ان کو دفن کر کے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے راستے میں ایک اندھے فقیر کو دیکھا جو بھوک سے بچین تھا اور رو رو کر کہہ رہا تھا کہ کئی دن سے میرا کھانا لانے والا میرے پاس نہیں آیا۔ خدا جانے اس بے چارے پر کیا مصیبت پڑی ہے۔ لوگ اس فقیر کے پاس گئے اور پوچھا تم کس کو یاد کر رہے ہو۔ اس نے کہا چار سال سے ایک آدمی ہر روز میرے لئے کھانا لاتا تھا، پہروں میرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا تھا۔ آج تین دن ہوئے وہ نہیں آیا۔ لوگوں نے کہا یہ تو بتاؤ اس کا نام کیا ہے۔ اس نے کہا کہ نام تو اس نے کبھی نہیں بتایا، جب کبھی میں نے پوچھا تو یہی جواب دیا کہ نام سے تم کو کیا کام، فقیر ہوں، فقیر کی خدمت کے لئے آتا ہوں۔ فقیر نے جو حلیہ بتایا تھا اس سے لوگ سمجھ گئے کہ اس فقیر کی خدمت کرنے والے ضرور حضرت علی ♦ ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ اے فقیر آج تین دن ہوئے کہ اس آدمی کے سر پر ایک ظالم نے تلوار ماردی اور وہ دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں اور ہم ابھی ابھی ان کو دفن کر کے آرہے ہیں۔ اندھا فقیر یہ سن کر بے چین ہو گیا اور دھاڑیں مار کر رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر لوگوں سے کہا ذرا اس کی قبر تک پہنچا دو اور قبر پر پہنچنے کے بعد وہ اندھا فقیر قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔

بادشاہت کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے کمال خدمت اور خلوص کے یہ نادر و نایاب واقعات بنی نوع انسان کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ ایسی خدمت کے اثرات جو حسنِ اخلاق کے ساتھ انجام پائیں، ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ ایسی خدمت انسان کو خدا کی رحمت کے قریب کر دیتی ہے اور جس پر خدا کی رحمت ہوتی ہے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ ہوتا۔ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں اس شخص کا پتہ دیتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور وہ آگ پر حرام ہے، یہ وہ شخص ہے جو نرم مزاج، نرم طبیعت اور نرم خو ہو۔ ایسا آدمی ہی دوسروں کی خدمت کر سکتا ہے۔ جب آدمی کے اردگرد آگ ہی آگ ہوگی اس وقت یہ صفات آگ سے محفوظ رکھیں گی۔ کتنے آدمی ہیں کہ بعض اوقات حسنِ سلوک کرنے، محبت کے الفاظ بولنے اور کسی غریب کی حاجت روائی میں بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی ایسی بات بول دیتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ گویا وہ محبت کی سعادت سے محروم ہے۔ انسان کو باہمی ہمدردی، محبت اور خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہی اس کا شرف اور یہی اس کی بزرگی ہے، اسی سے اس کی فضیلت ہے، وہ کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے، کسی معذور کی مدد کرتا ہے، کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو اس کی منازل ترقی کرتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر دنیا اور آخرت میں اور کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ انسان کسی مسکین کو کھانا کھلا کر کسی بیمار کی مزاج پرسی کر کے اپنے آقا و مولا کو پا سکے۔

Monthly Mujallah **AL-HAQIQA**
May 2008
Reg.No. C.P.L.168

## حضور مفکر اسلام کی شہرۂ آفاق تصانیف

- میلاد شریف اور بعض روایات
- حضور ﷺ کے والدین
- شاہِ ابرار زندہ ومختار
- سورج الٹے پاؤں پلٹے
- حضرت مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت
- توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
- حضرت امام حسین کی حقانیت
- اسلام کا پہلا عقیدۂ توحید
- اسلام کا دوسرا عقیدۂ رسالت
- موجودہ فرقہ واریت اور حضورِ نقش لاثانی کا مذہبی تامل
- انوارِ لاثانی
- آؤ میلاد منائیں
- نغمات میلاد (نعتیہ مجموعہ)
- (نعتیہ مجموعہ) تبرکات حرمین
- ہمارا نبی ﷺ (نعتیہ کلام)
- اتحادِ ملت کی ضرورت وصورت (زیرِ طبع)
- اسلام اور شیطان کے سپوت (زیرِ طبع)
- مردانِ حق
- سیرتِ حضور نقشِ لاثانی
- سیرت نبوی کا پیغام عصر حاضر کے نام

پبلشرز **مکتبہ نقشِ لاثانی**
نقشِ لاثانی نگر شکر گڑھ
0542 - 451957
0300-7766223